اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے

عرفانی تقریریں

شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ○ لاہور

نام کتاب	عرفانی تقریریں
مصنف	علامہ عبدالمصطفیٰ الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ اشاعت	فروری 2005ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z291
قیمت	■/- روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

انتساب وایصال ثواب

میں اپنی اس تالیف کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ کے نام نامی
سے منسوب کرتے ہوئے اس کتاب کے ذریعے
آپ نیز آپ کے تمام مشائخ وخلفائے سلاسل اربعہ
قادریہ، نقشبندیہ، وچشتیہ، وسہروردیہ رحمہم اللہ کی
ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کرتا ہوں۔ قارئین کرام
بھی فاتحہ پڑھ کر اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ خیر و
برکت پائیں گے۔

خاکپائے اولیاء
عبدالمصطفٰے الاعظمی عفی عنہ

ایک نظر ادھر بھی!

اثر کرے نہ کرے، سن تو لے، مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب .... یہ بندۂ آزاد

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ! "ایمانی تقریریں" کا پانچواں حصہ "عرفانی تقریریں" بھی طبع ہو کر آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ میری خاص خاص اور نئی نئی دس تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل آپ "ایمانی تقریریں" میں سات وعظ "نورانی تقریریں" میں سات وعظ "حقانی تقریریں" میں چھ وعظ "قرآنی تقریریں" میں دس وعظ، میری تیس تقریریں پڑھ چکے ہیں۔ اب یہ دس ملا کر مختلف عنوانوں پر کل چھوٹی بڑی چالیس تقریریں ہو چکیں۔ جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہیں۔ زیر نظر مجموعہ "عرفانی تقریریں" سلسلہ مواعظ کی آخری کڑی ہے۔ اب اس کے بعد مزید تقریریں لکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔

کیونکہ دوسرے مختلف موضوعات پر بہت سے اہم مضامین دل و دماغ کے قید خانہ سے نکل کر صفحہ قرطاس پر آنے کے لئے بے قرار ہیں۔ جن کو کتابی صورت میں برادران اہل سنت کی خدمت میں پیش کر دینا انتہائی ضروری خیال کرتا ہوں!

اگرچہ مشاغل درس کی وجہ سے عدیم الفرصتی کے ساتھ ساتھ اپنی ضعیفی اور گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر دل دھڑکتا ہے کہ۔

تھوڑی باقی رہ گئی پیارے! تھوڑا رہ گیا تیل
دیپک بجھنے والا ہے، اب کیسے ہو گا کھیل

مگر خداوند کریم کے فضل پر بھروسہ ہے اس لئے قارئین کرام سے ملتجی ہوں کہ اخلاص قلب کے ساتھ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ جن تصنیفات کا خاکہ میں نے اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ مجھے ان کی تکمیل کی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ط وَهُوَ حَسْبِيْ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلَ ۔

آخر میں اپنے تمام کرم فرما احباب اور حوصلہ افزائی فرمانے والے مخلص قدر دانوں کی

کریمانہ عنایتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے۔ سب کی دعاؤں کا طالب، اور سب کے لئے دعاگو ہوں۔ بالخصوص تلمیذ باتمیز، محبی العزیز اخی فی اللہ مولوی محمد نعیم صاحب مجددی ساکن پتونہ، پوسٹ پہنتی پور، ضلع فیض آباد کے لئے جذبہ تشکر کے ساتھ دعاگو ہوں۔ جنہوں نے میری تصنیفات کی طباعت واشاعت میں اتنی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں کہ میں تازیست ان کے بار منت سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ جزاہ المولٰی تعالٰی فی الدارین احسن الجزاء۔ مولٰی عزوجل میری ان حقیر قلمی خدمات کو اپنے فضل وکرم سے مقبول فرمائے۔ اور ان اوراق کو قبول فی الارض کی کرامتوں سے سرفراز فرما کر امت مسلمہ کے لئے ذریعہ ہدایت اور مجھ ناچیز کے لئے سرمایہ آخرت بنائے آمین۔

مرے فکرو احساس کو جگمگا دے ستاروں کو تابندگی دینے والے
مرے دل کو بھی نور ایمان سے بھر دے مہ و مہر کو روشنی دینے والے
مرا مقصد زندگی بھی حسیں ہو گل و غنچہ کو تازگی دینے والے
غلامی سے باطل کی مجھ کو بچانا پہاڑوں کو شان خودی دینے والے

طلبگار ہوں میں تیری ہی رضا کا
الم دینے والے، خوشی دینے والے

آمین بجاہ النبی الامین علیہ والہ وصحبہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم برحمتک وھو ارحم الراحمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

عبدالمصطفٰی الاعظمی عفی عنہ
شیخ الحدیث، دارالعلوم فیض الرسول
براؤں شریف
3 جمادی الاولٰی 1394ھ

اکتیسواں وعظ

سورۂ فاتحہ کی تجلیاں

اے خداوند جہاں رب کریم
ہم چلیں راہ صراط مستقیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ زَیَّنَ الْقُرْاٰنَ بِسُوْرَۃِ الْفَاتِحَةِ ؕ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَهٗ بِالْحُجَّةِ الْوَاضِحَةِ ؕ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ فَازُوْا بِحُسْنِ الْخَاتِمَةِ وَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِهِ الْعَظِیْمِ ؕ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔

حضرات گرامی! درود و سلام کے نورانی نعرہ سے جلسہ کو پرانوار بنائیے اور باآواز بلند پڑھئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

حمد کے لائق ہے یا رب! تیری ذات — تو ہے خالق اور رب کائنات
سب کا مالک اور رحمٰن و رحیم — کتنی پیاری ہیں تری ہر ایک صفات
ہم چلیں راہ صراط مستقیم — ہے دعا میری یہ دن بھر، ساری رات
جن پہ ہے انعام تیرا اے خدا — راہ پر ان کی چلیں ہم تاحیات
اور جو مغضوب ہیں، گمراہ ہیں — ان سے ہم کو دور رکھ اور دے نجات

محترم حاضرین! میری آج کی تقریر کا عنوان اور گفتگو کا موضوع سورۂ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی مختصر تفسیر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ صاحبان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اس سورۂ مقدسہ کے مضامین کو جذبہ یقین کے ساتھ سن کر ذہن نشین کریں گے اور کامل حسن اعتقاد اور مکمل جوش ایمان کے ساتھ ان پر عمل کی کوشش بھی کریں گے۔ یاد رکھئے کہ جس طرح علم بغیر عمل کے اتنا ہی بے کار ہے جتنا درخت بغیر پھل کے۔ ٹھیک اسی طرح کوئی عمل بغیر پختہ عقائد اور ایمان کامل کے لاحاصل بے نور اور غیر مقبول ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عمل کی

گاڑی اس وقت تک چل ہی نہیں سکتی۔ جب تک کہ جوش اعتقاد اور جذبہ ایمان کا انجن اس کو کھینچ کر نہ لے جائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

"حرف" اس قوم کا بے سوز، "عمل" زار وزبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے نہیں جس کا ضمیر

اسی لئے میں نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی سنئے۔ جوش اعتقاد اور جذبہ ایمان کے کان سے سنئے۔ پھر امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ اعتقاد وایمان کی بے پناہ کشش آپ کو کھینچ کر عمل کی شاہراہ پر بھی گامزن کردے گی۔ اور آپ ایمان وعمل کی دولتوں سے مالا مال ہو کر خداوند لم یزل ولا یزال کے دربار میں حقیقی وصال کی نعمت لازوال سے اتنے صاحب کمال ہو جائیں گے۔ کہ آپ کے جاہ وجلال کی توانائیوں کا خیال کر کے تمام دنیا زبان حال سے پکار اٹھے گی کہ ؎

خدا پناہ میں رکھے جلال مومن سے
نگاہ بدلی کہ عالم میں انقلاب ہوا

حضرات! ایمان وعمل کی یہی وہ روحانی توانائیاں ہیں جن کے آگے بڑے بڑے نمرودوں اور فرعونوں کی طاغوتی طاقتیں بھی سرنگوں ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خداوند کریم ہمیں اور آپ کو پختہ عقائد، ایمان کامل، اور عمل صالح، کی ناقابل تسخیر طاقتیں عطا فرمائے۔ کیونکہ یہی وہ روحانی طاقتیں ہیں جو ایک مومن کا سب سے بڑا اور قابل اعتماد ہتھیار ہیں۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مومن کی شمشیریں

بہرحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ جو کچھ بھی سنئے، ایمان واعتقاد کے ساتھ گوش ہوش سے سنئے۔ خداوند قدوس ہمیں اور آپ کو عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرات! میں نے عرض کیا کہ میں آج کے اجلاس میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ، اور اس کی مختصر تفسیر آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ سبحان اللہ! میں سورۂ فاتحہ کی شان کس زبان سے

بیان کروں؟ کہاں سورۂ فاتحہ کی شان؟ اور کہاں میں اور میری زبان۔

میرے بزرگو اور بھائیو! یوں تو قرآن مجید کی چھوٹی بڑی ایک سو چودہ سورتیں ہیں مگر سورۂ فاتحہ ان تمام سورتوں میں اپنی بعض شاندار خصوصیات کے لحاظ سے بے حد اہم، بہت باعظمت اور نہایت ہی ممتاز سورۂ ہے!

سورۂ فاتحہ کی خصوصیات:۔ مثال کے طور پر اس سورۂ مبارکہ کی ایک نہایت ہی خاص خصوصیت اور بہت ہی امتیازی شان یہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے بائیس نام ہیں (تفسیر روح المعانی ج1 ص38) یہ اس سورۂ کی ایسی بے مثال خصوصیت ہے کہ قرآن کی کسی دوسری سورۃ کو یہ امتیازی شرف حاصل نہیں ہوا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ دنیا بھر کا یہ ایک مسلم الثبوت مقولہ ہے کہ کَثْرَۃُ الْاَسْمَاءِ تَدُلُّ عَلٰی شَرَفِ الْمُسَمّٰی یعنی کسی چیز کے ناموں کی تعداد کا بہت زیادہ ہونا یہ اس بات کی دلیل ہوا کرتا ہے کہ یقیناً وہ چیز عظمت و شرافت میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ مثلاً آپ دیکھ لیجئے کہ "آم" اور "امرود" دونوں ہی ہندوستان کے مشہور پھل ہیں۔ مگر "آم" کے ناموں کی تعداد خدا کی پناہ! لنگڑہ، بمبئی، دسہری، فجری، چونسہ، سفیدہ، گلاب خاص، شاہ پسند وغیرہ وغیرہ پچاسوں نام ہیں مگر امرود غریب کا بس ایک ہی نام ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا، کھٹا ہو یا میٹھا، بکھٹا ہو یا کسیلا۔ احمد آباد کا ہو یا الٰہ آباد کا سب "امرود" ہی کہلائے گا۔ دوسرا کوئی نام ہی نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہندوستانی پھلوں میں لذت و لطافت کے لحاظ سے "آم" تمام پھلوں کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عزت و شہرت میں "امرود"، "آم" کی گرد کو بھی نہیں پاسکتا! بس اسی طرح سمجھ لیجئے کہ سورۂ فاتحہ کے ناموں کا اس قدر کثیر ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں میں بعض خصوصیات کے اعتبار سے سورۂ فاتحہ کی عظمت شان کا جھنڈا بہت ہی بلند و بالا اور بڑا ہی عظمت والا ہے۔

حضرات اسی طرح سورۂ فاتحہ کی ایک خاص الخاص ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن کی تمام سورتیں تو ایک ایک بار نازل ہوئیں۔ مگر سورۂ فاتحہ کو خداوند عالم نے دو مرتبہ نازل فرمایا۔ ایک مرتبہ تو یہ مقدس سورہ اس وقت نازل ہوئی جب مکہ مکرمہ میں نماز فرض کی گئی اور ایک مرتبہ تحویل قبلہ کے وقت مدینہ منورہ میں اس کا نزول ہوا چنانچہ اسی لئے اس کے ناموں میں سے ایک نام "سبع مثانی" بھی ہے۔ یعنی یہ وہ سات آیتیں ہیں جو دو مرتبہ نازل کی گئی ہیں۔

"تفسیر اکلیل" میں لکھا ہے کہ لِاَنَّهَا اُنْزِلَتْ مَرَّتَيْنِ یعنی سورۂ فاتحہ کو "سبع مثانی" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سات آیتیں ہیں اور یہ سورۂ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

حضرات یوں ہی اس سورۂ کی ایک نادر الوجود خصوصیت اور ممتاز حیثیت یہ بھی ہے کہ اس کا نام "اُمُّ الْقُرْاٰن" ہے۔ جس کے معنی ہیں "قرآن کی اصل" یعنی "جڑ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورا درخت جڑ سے نکلتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے پورے جلالی و جمالی مضامین اس سورۂ میں اجمالی طور پر جمع ہیں اور خداوند عالم کے وہ تمام فرامین و احکام جو اس کے کلام قرآن مقدس کے وسیع دامن میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سورۂ نے اجمالی حیثیت سے ان سب کو اپنے ننھے سے حسین دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

حضرات گرامی! قرآن مجید کے مضامین کی فہرست بہت ہی طویل ہے۔ مثلاً خدا کی حمد و ثنا، اس کی توحید، ربوبیت، رحمت، مالکیت، استحقاق عبادت، بندوں کی ہدایت، اختصاص عبادت، استعانت، طلب ہدایت، صالحین کی موافقت، گمراہوں سے نفرت، رسالت، قیامت، توجہ الی اللہ، سزا و جزا وغیرہ وغیرہ لیکن اگر آپ مبصرانہ نگاہ سے سورۂ فاتحہ پر ایک نظر ڈالیں گے تو قرآن کے یہ تمام مضامین سورۂ فاتحہ میں اس طرح سمٹے ہوئے ملیں گے جس طرح گلاب کے پھول میں رنگ، خوشبو، نزاکت، لطافت، نرمی، شوخی، تازگی، دل کشی، ٹھنڈک، رونق، خاصیت رچی بسی ہوئی ہے۔ یا جس طرح ایک بیج کے اندر پورا درخت، اس کی جڑ، تنا، شاخ، کلی، پھول، پھل وغیرہ سب کچھ سمٹا سمٹایا ہوا رہتا ہے کہ پورا درخت اسی بیج میں سے نکلتا ہے اور اپنی عمر میں بڑھتا اور پھولتا پھلتا ہے۔

برادران ملت! سورۂ فاتحہ جیسی مختصر سی سورۂ میں خداوند کریم پورے قرآن کے چمکتے ہوئے مضامین کو جمع فرمادے۔ یہ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے مجھے اس موقع پر عربی کا ایک شعر یاد آگیا۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ

وَلَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ
اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِي الْوَاحِدِ

یعنی خدا کی قدرت کے لئے یہ کوئی دشوار اور قابل انکار بات نہیں ہے کہ وہ سارے عالم کو ایک ہی شخص کی ذات کے اندر جمع فرمادے۔ یہ خداوند عالم کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت

بالغہ کا جلوہ اور اس کے فضل عظیم کی تجلی ہے کہ جس طرح اس نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا۔ تمام فرشتوں کو ایک درجہ نہیں عطا فرمایا۔ تمام نبیوں اور رسولوں کو درجات و مراتب میں ایک ہی جیسا نہیں رکھا۔ بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی اور ایک کو دوسرے سے افضل و اعلیٰ بنایا۔ اسی طرح پورا قرآن اگرچہ اسی کا کلام ہے۔ اور پورے قرآن کی سورتیں اسی کی نازل فرمودہ ہیں مگر یہ اس کے فضل عظیم کا ایک جلوہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اس نے بعض حیثیتوں سے ایک سو تیرہ سورتوں پر ایک طرح کی فضیلت عطا فرما دی ہے۔ سبحان اللہ! خدا کی قدرت کاملہ اور اس کے فضل و کرم کے جلووں کا کیا کہنا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

تو اگر چاہے تو اک ذرے کو صحرا کر دے
اور ایک قطرۂ بے مایہ کو دریا کر دے
ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ قدرت کا تری
"کن" کہہ کے تو کونین کو پیدا کر دے

سبحان اللہ، سبحان اللہ! پڑھیے باآواز بلند درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

حضرات محترم! اس سورۂ مبارکہ کے فضائل و مناقب میں چند حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں لیکن اگر میں ان کو بیان کروں تو اتنا وقت گزر جائے گا کہ سورۂ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر جو اصل مقصد ہے وہی فوت ہو جائے گا۔ اس لئے اب میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ بغیر کسی تمہید کے اس سورۂ کی ایک ایک آیت کا ترجمہ اور مختصر تفسیر آپ کو سنا دوں لہٰذا سنئے اور بغور سنئے۔ خداوند اس سورۂ کے انوار سے ہمیں اور آپ کو ہدایت پر استقامت کی روشنی عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرات گرامی! رب العزت جل جلالہٗ اپنے بندوں کو اپنی حمد و ثناء کا طریقہ تعلیم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اے میرے بندو! تم میری بارگاہ عظمت میں میری حمد و ثناء کا نذرانہ اس طرح پیش کرو کہ اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اعتقاد و یقین کا چراغ روشن کر کے ادب و احترام کی زبان سے یہ کہو کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

الحمد للہ:۔ یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَلَّ جَلَالُهٗ۔

حضرات! آپ نے اس آیت کا ترجمہ سن لیا۔ اب یہ سمجھئے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ سنئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں جہان میں جس کسی کی بھی تعریف کرو اور چھوٹی سے چھوٹی، بڑی سے بڑی جو تعریف بھی کرو وہ حقیقت میں خداوند عالم ہی کی تعریف ہو گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمام عالم کائنات اور ان کے تمام کمالات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ عزیزان ملت! تم اس کو یوں سمجھو کہ تم میری اس چھڑی کی جتنی بھی تعریف کرو گے وہ سب تعریف در حقیقت اسی بڑھئی کی ہو گی جس نے اس چھڑی کو اتنا حسین اور خوب صورت بنایا ہے۔ کیونکہ وہ بڑھئی اگر اس چھڑی کو نہ بناتا تو نہ یہ چھڑی ہوتی۔ نہ اس کی تعریف۔ اسی طرح اس بڑھئی کے کمال کاریگری کی تم جتنی بھی تعریف کرو گے وہ حقیقت میں پروردگار عالم کی تعریف ہو گی۔ جس نے اس بڑھئی کو پیدا فرمایا اور اس کو کاریگری کا ہنر اور فن کا کمال بخشا۔ کیونکہ اگر خلاق عالم اس بڑھئی کو پیدا ہی نہ فرماتا تو نہ بڑھئی ہوتا۔ نہ اس کا کمال ہوتا نہ اس کی تعریف ہوتی۔ اسی طرح تم سمجھ لو کہ تم جس مخلوق کی بھی تعریف کرو گے وہ حقیقت میں اس کے خالق ہی کی تعریف ہو گی اور چونکہ سارے عالم کا خالق اور بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے ثابت ہو گیا کہ تمام تعریفیں اللہ عزوجل ہی کے لئے ہیں اور ہر حمد و ثناء کا حقیقی حقدار وہی پروردگار ہے جو سارے عالم کائنات کا خالق و کردگار ہے۔ چنانچہ خود اس کا کلام پر انوار ہے کہ:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ط

یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جو اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بڑے غلبہ والا ہے۔

حضرت علامہ بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو بیان فرماتے ہوئے اپنی تفسیر میں کتنی نفیس بات تحریر فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

اِذِ الْحَمْدُ فِي الْحَقِيْقَةِ كُلُّهُ لَهُ اِذْ مَا مِنْ خَيْرٍ اِلَّا وَهُوَ مُوْلِيْهِ بِوَسَطٍ اَوْ غَيْرِ وَسْطٍ (تفسیر بیضاوی ص6)

یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں کیوں اور کس طرح ہیں؟ تو اس کی دلیل دیتے ہوئے علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس لئے کہ حقیقت میں ہر ایک تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے کیونکہ ہر خیر اور ہر خوبی کا عطا

فرمانے والا تو وہی ہے۔ خواہ وہ کسی کے واسطے اور کسی کے ذریعے سے
عطا فرمائے۔ یا بلا ذرائع اور وساطت کے عنایت فرمائے۔

بہرحال ہر خوبی والے اور ہر خیر و خوبی کا پیدا فرمانے والا، اور عطا فرمانے والا جب وہی ہے تو دنیا و آخرت میں جہاں کہیں بھی اور جس کی بھی، اور جو تعریف بھی کی جائے گی۔ وہ سب تعریفیں خدا ہی کی ہوں گی۔ اس لئے ہر صاحب بصیرت کو سورج کی روشنی سے کروڑوں درجے زیادہ اس روشن حقیقت کا یقین و اذعان ہے اور ہر مومن کا اس پر ایمان ہے کہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** یعنی تمام تعریفیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ہر حمد و ثنا کا حقیقی مستحق وہی **وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ** ہے۔ جو سب کا خالق، سب کا مالک ہے۔

حضرات محترم! آپ ذرا قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت کا ایک جلوہ اور قرآن کے مقدس الفاظ کی جامعیت کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے **الحمد للّٰہ** ایک مختصر سا جملہ ہے۔ مگر اللہ اکبر! اس مختصر جملے کے دامن میں کتنے مسائل ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ ذرا غور فرمایئے۔ اس جملہ سے اتنے مسائل تو اس طرح واضح ہو کر نظر کے سامنے آتے ہیں۔ جیسے اونچے اونچے پہاڑ دکھائی پڑتے ہیں کہ اللہ موجود ہے۔ اللہ زندہ ہے، وہ قدرت والا ہے۔ وہ ارادہ والا ہے۔ وہ علم والا ہے، وہ سننے والا ہے۔ وہ دیکھنے والا ہے۔ حضرت علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ **اِذِ الْحَمْدُ لَا یَسْتَحِقُّہٗ اِلَّا مَنْ کَانَ ھٰذَا شَانُہٗ** (بیضاوی ص 6) یعنی اس "الحمد للّٰہ" کے جملے سے اتنے مسائل اس لئے ثابت ہو رہے ہیں کہ حمد کا حقدار وہی ہو سکتا ہے جس کی یہ شان ہو۔ سبحان اللہ! قرآن کی بلاغت کے قربان جایئے کہ اس ایک مختصر جملے سے خدا کی ذات و صفات کے پورے مسائل کا اثبات ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر کیوں نہ ہو؟ کہ قرآن کا ہر ہر لفظ "جوامع الکلم" کے جلووں کا آئینہ دار ہے۔ یعنی اس کے ہر ہر لفظ میں معنوں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ:

یعنی بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ قرآن مجید اس کا کلام ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ، اور تمام شہنشاہوں کا شہنشاہ بلکہ تمام بادشاہوں اور تمام شہنشاہوں کا خالق و مالک ہے تو پھر احکم الحاکمین کے کلام کی عظمت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟

ربّ العالمین:۔ حضرات گرامی! اب آیئے ذرا "رب العالمین" کے لفظ پر بھی ایک نظر

ڈالتے چلئے۔ خداوند قدوس نے اپنے نام پاک کے بعد اپنی ایک صفت کا ذکر فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ جس کے لئے تمام تعریفیں ثابت ہیں۔ وہ "رب العالمین" یعنی سارے جہان کا پرورش فرمانے والا اور سب کو پالنے والا ہے۔ حضرات! خدا کی اس صفت سے پتہ چلتا ہے کہ خدا جس طرح تمام جہان کا خالق ہے۔ اسی طرح وہ تمام جہان کا روزی رسان اور پالنے والا بھی ہے۔ اور جس طرح خدا اگر عالم کو پیدا نہ فرماتا تو عالم موجود ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر خدا عالم کی پرورش نہ فرماتا تو عالم باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ سارا عالم اپنے وجود اور اپنی بقاء دونوں میں خدا کا محتاج ہے۔

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ رب العالمین یعنی سارے جہان کا پروردگار اور تمام عالم اور کل سنسار کا پالنہار ہے۔ اللہ اکبر! اس رب العالمین کی ربوبیت اور پرورش کی شان کا کیا کہنا؟ وہ ایسا رزاق مطلق ہے کہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو، نیکو کاروں اور بدکاروں کو سب کو روزی دیتا ہے اور سب کو پالتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے خداوند عالم کے اس کرم عظیم کو کتنے دلکش اور پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ذرا بغور سنئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ؎

اگر با پدر جنگ جوید کسے
پدر بیگماں خشم گیرد بسے

یعنی اگر کوئی شخص اپنے باپ سے جنگ کرنے لگے تو باوجود یہ کہ باپ کا دل بیٹے کی محبت سے لبریز رہتا ہے مگر ایسے نالائق بیٹے پر یقیناً باپ کو بے حد غصہ آ جائے گا اور وہ اس کو ہرگز ہرگز کبھی دانہ پانی دینے کا روادار نہ ہوگا۔

دگر بندہ چابک نہ آید بکار
عزیزش ندارد خداوند گار

اگر کوئی غلام کام دھندے میں چست چالاک نہ ہو تو اس کا آقا کبھی اس سے پیار نہیں کرے گا۔ اور اس کی روزی روٹی بند کر دے گا۔

وگر ترکِ خدمت کند لشکری
شود شاہ لشکر کش ازوے بری

اور اگر کوئی سپاہی اپنی ڈیوٹی نہ بجالائے تو سپہ سالار اس سے بیزار ہو کر اس کو نوکر

برخواست کردے گا۔

ولیکن خداوند بالا وپست
بعصیاں درِ رزق برکس نہ بست

لیکن بلندی و پستی کے مالک خداوند عالم کی ربوبیت اور اس کی رزاقیت کا یہ عالم ہے کہ کوئی کتنا ہی گناہ گار و نافرمان کیوں نہ ہو جائے مگر وہ گناہ اور نافرمانی کی وجہ سے کسی کے رزق کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ کیوں! اس لئے کہ وہ "رب العالمین" ہے یعنی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

رحمٰن و رحیم :۔ حضرات! رب العزت جل جلالہٗ اپنی ایک صفت "رب العالمین" کو بیان فرمانے کے بعد اپنی دوسری دو صفتوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ "الرحمٰن الرحیم" یعنی وہ بہت مہربان اور بے حد رحمت والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس خالق کائنات نے جو سارے عالم کو پیدا فرمایا اور سب کو پالتا ہے۔ تو تم یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ اس کی کوئی لازمی ڈیوٹی، اور اس کا کوئی فریضہ ہے۔ جس کو وہ ادا کر رہا ہے۔ بلکہ تم یہ ایمان رکھو کہ اس نے جو کچھ بھی کیا اور جو کچھ بھی کرتا ہے اور جو کچھ بھی کرے گا۔ یہ سب محض اس کی شان رحمت اور اس کی مہربانیوں کا جلوہ ہے۔ تمام مخلوق کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور سب کی پرورش کرنا یہ سب کچھ اس کی رحمت ہی رحمت اور اس کی مہربانی ہی مہربانی ہے۔ نہ اس پر کوئی چیز واجب ہے۔ نہ اس کے لئے کچھ کرنا لازم ہے وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اس کی ذات تو سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ سارا عالم ساری کائنات سب کچھ اس کی رحمتوں کا ثمرہ، اور اس کی بے حساب مہربانیوں کا جلوہ ہے۔ اللہ اکبر، کون ہے جو بھلا اس کی رحمتوں کا شمار کر سکتا ہے؟ کائنات عالم کے ذرے ذرے میں اس کی رحمتوں کی لاکھوں دنیا آباد ہے۔ اور قطرے قطرے میں اس کی مہربانیوں کے کروڑوں سمندر موجزن ہیں۔

روزِ جزاء کا مالک:۔ خیر اب تیسری آیت کا ترجمہ سماعت فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ط یعنی اللہ تعالیٰ روز جزا یعنی قیامت کے دن کا مالک ہے۔ حضرات گرامی! خداوند تعالیٰ تو ہر دن اور ہر رات کا مالک ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ روز جزاء کے مالک ہونے کا ذکر کیوں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کا دن چونکہ اپنی مقدار، اپنی عظمت، اپنی ہیبت کے لحاظ سے تمام دنوں میں سب سے بڑا دن ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے متنبہ فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ جب سب سے بڑے دن کا مالک ہے تو تم سمجھ لو کہ چھوٹے چھوٹے دنوں کا تو وہ بدرجہ اولیٰ مالک ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے اور دنوں میں تو بندوں کی مالکیت کا چرچا رہتا ہے چنانچہ انسان یہ دعویٰ کرتا پھرتا ہے کہ میں اپنی جائیداد کا مالک ہوں۔ تم اپنے ہوٹل کے مالک ہو۔ وہ اپنی دکان کا مالک ہے۔ مگر قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اس دن خدا کی مالکیت کے سوا کسی کی مالکیت کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہوگا اس لئے حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنے بندوں سے اپنا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" یعنی اے میرے بندو! خوب پہچان لو کہ اللہ وہی ہے جو اس دن کا بھی مالک ہے جس دن کسی کی مالکیت کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ایسا دن ہے کہ بغیر خدا کے اذن و اجازت کے نہ کسی کا کوئی تصرف ہو گا نہ اقتدار، نہ کسی کا کسی چیز پر قبضہ ہو گا نہ کوئی اختیار۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئاً وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ۔

یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا۔ تمام کاموں کا اختیار و اقتدار اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہو گا!

حضرات گرامی! خداوند قدوس نے اپنے نام کے بعد اپنی چار بڑی بڑی صفتوں کا ذکر فرما کر اپنے بندوں کے لئے اپنی معرفت اور پہچان کا اتنا بڑا سامان مہیا فرما دیا کہ اگر بندے پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ تفکر و تدبر کے جذبے کو کام میں لاتے ہوئے ان چاروں صفات الٰہیہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ان کے تصور کا نور بصیرت حاصل کر لیں تو بندے قرب الٰہی کی ایسی منزل تقرب میں پہنچ جائیں گے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے حکم فرمایا کہ میرے بندو! اب تم خدا کو اپنا مخاطب سمجھتے ہوئے ان لفظوں کے ساتھ اپنے جذبات عبودیت کا نذرانہ پیش کرو کہ "اياك نعبد واياك نستعين" یعنی اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

حضرات گرامی! اس آیت میں "نعبد" کے بعد فوراً ہی "نستعين" کا لفظ اتنا مناسب اور اس قدر برمحل ہے کہ اس کے تصور سے اہل عرفان اور صاحبان ذوق کو وجد آنے لگتا ہے۔ آپ اس کو یوں سمجھئے کہ جب بندے نے خدا کے دربار میں یوں عرض کیا کہ "اياك نعبد" اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو اس سے یہ وہم ہو رہا تھا کہ شاید بندہ کچھ اپنی تعلّی اور

اکڑفوں دکھارہا ہے اور یہ دعویٰ کرنے لگا ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں اور ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ خدا کی عبادت کرنے لگے ہیں۔ تو خداوند عالم نے یہ حکم فرمایا کہ اے میرے بندو! تم اپنی عبادت کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی فوراً یہ عرض کردو کہ "وایاك نستعین" یعنی اے اللہ! ہم بھلا اس قابل کہاں؟ کہ تیری عبادت کا دعویٰ کرسکیں۔ ہم تو بالکل ہی قصور اور کوتاہیوں کے پتلے، اور عجز وانکسار کے مجسمے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیری عبادت بھی کرتے ہیں تو اس عبادت میں بھی ہم تیری مدد کے محتاج ہیں۔ لہٰذا تو ہمارے اس عمل عبادت میں بھی ہماری مدد فرما۔ غور فرمایئے کہ "ایاك نعبد" کے لفظ سے جو وہم پیدا ہو رہا تھا وہ "وایاك نستعین" کہہ دینے سے بالکل ہی زائل ہوگیا اور بندہ کمال عاجزی کے اظہار سے اپنی عبادت میں بندۂ کامل ہوگیا۔ سبحان اللہ۔

پڑھیئے باآواز بلند درود شریف: اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

برادران ملت! اس آیت میں چونکہ "عبادت" کا ذکر آگیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ لفظ عبادت کی بھی کچھ تشریح کردوں۔ تاکہ عبادت کا صحیح مفہوم آپ کے ذہن میں آجائے اور آپ اچھی طرح سمجھنے لگیں کہ کون سا عمل عبادت ہے؟ اور کون سا عمل عبادت نہیں۔ کیونکہ اس دور میں کچھ ایسے مولوی بھی پیدا ہوگئے ہیں جو الفاظ قرآن کے معانی میں ایسی کتر بیونت کرتے رہتے ہیں کہ قرآن مجید کی مقدس آیتوں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں کے لئے اس کے سوا اور کیا کہا جائے

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے اس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

لطیفہ:۔ حضرات! "کتر بیونت" کی بات یاد آگئی تو مجھے ایک نواب بے ملک کا ایک لطیفہ یاد آگیا۔ اتفاق سے نواب صاحب کا سسرال سے بلاوا آگیا۔ مارے خوشی کے نواب صاحب کی باچھیں کھل گئیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے سسرال کے سفر کے سلسلے میں جہاں بہت سے انتظام کئے ایک نیا پائجامہ بھی سلایا۔ اتفاق سے درزی ایماندار تھا۔ اتنا ہوشیار نہیں تھا کہ کپڑے میں کچھ کتر بیونت کرکے ادھر ادھر آرپار کردیتا۔ درزی نے پورے کپڑے کا جو پائجامہ سی دیا تو وہ چار انگل بڑا ہوگیا۔ نواب صاحب نے ٹرائی کے لئے جو پہنا تو جوتا نظروں سے غائب ہوگیا اور

پائجامہ زمین چومنے لگا۔ نواب صاحب بہت سٹپٹائے۔ فوراً منہ لٹکائے بیوی کے پاس آئے اور بڑی لجاجت سے دانت نکال کر عرض کیا کہ پیاری بیگم! سنو تو سہی۔ بڑا غضب ہو گیا۔ دیکھو درزی نے میرا پائجامہ چار انگل بڑا سی دیا۔ اب صبح سویرے ہی تمہارے میکے جانا ہے۔ اگر یہی پائجامہ پہن کر میں جاؤں گا تو سسرال والے یہی سمجھیں گے کہ نواب صاحب کرایہ کا پائجامہ پہن کر آئے ہیں۔ یا کسی لمبے آدمی سے مانگ کر پہنا ہو گا۔ بیگم! خدا کی قسم واللہ میری تو ناک ہی کٹ جائے گی، لہٰذا خدا کے لئے چار انگل اس پائجامہ کو کاٹ کر ایک بخیہ چلا دو تاکہ میری آبرو کا گنبد سلامت رہ جائے۔ بیگم صاحبہ ساٹھ برس کی کھوسٹ بڑھیا تھیں۔ چھوہارے جیسے گال۔ نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ چڑچڑا مزاج۔ ایک دم تڑپ کر برس پڑیں۔ کہ اجی تم تو بالکل ہی سٹھیا گئے ہو۔ نوج۔ خدا کی مار۔ ابھی ابھی تو ایک ذرا لیٹی ہوں۔ اب میں اتنی رات کو تمہاری بیگاری کرنے کے لئے اٹھ کر مشین پر ورزش کروں؟ نہ بابا۔ جاؤ۔ مجھ سے نہیں ہونے کا!

بیگم کی لتاڑ سن کر نواب صاحب بھیگے ہوئے گیدڑ بنے الٹے پاؤں واپس چلے آئے۔ آخر کیا کرتے۔

اکبر دبے نہیں کبھی جرمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی "نوج" سے

پھر بیٹی سے کہا۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ اب نواب صاحب اپنی بہو کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ڈرتے ڈرتے پائجامہ درست کرنے کی درخواست پیش کر دی۔ اللہ اکبر! بہو اور وہ بھی چودھویں صدی کی بہو۔ نواب صاحب کی بہو کیا تھی؟ بس بالکل ہی ہو بہو تھی۔ چلا کر کہا۔ "اجی مجھ سے نہیں ہو سکتا۔" نواب صاحب بھاگے ہوئے بہن کے پاس گئے۔ اور کہا آپا جان! ذرا تم ہی یہ کام بنا دو تاکہ سسرال میں میرا بھرم رہ جائے۔ بہن نے جھلا کر "نہیں" کہہ دیا۔ نواب صاحب گھر کی چاروں عورتوں کا انکار سن کر رو پڑے۔ اور کھونٹی پر پائجامہ لٹکا کر سو گئے۔ آدھی رات کو بیگم کی آنکھ کھلی تو ان کو خیال آیا کہ افسوس! میں نے بڑی غلطی کی۔ اگر نواب صاحب کی سسرال میں رسوائی ہوئی تو میری آبرو کا بھی جنازہ نکل جائے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

میری رسوائی سے تم کو خوش نہ ہونا چاہیے
قیس رسوا تھا تو کیا لیلیٰ کی رسوائی نہ تھی

بیگم جھٹ پٹ اٹھیں اور پائجامہ کو چار انگل کاٹ کر کھونٹی پر لٹکا دیا اور سو گئیں۔ پھر لڑکی جاگی تو اس کو بھی باپ کے ساتھ اپنی سخت کلامی پر ندامت ہوئی اس نے بھی اٹھ کر چار انگل پائجامہ کاٹ اور بخیہ چلا کر کھونٹی پر لٹکا دیا اور سو گئی۔ چند ہی منٹ بعد بہو صاحبہ بھی بیدار ہوئیں۔ انہوں نے بھی پائجامہ کو چار انگل کاٹ کر درست کر دیا۔ پھر بہن اٹھیں تو انہوں نے بھی چار انگل کاٹ کر پائجامہ سی دیا۔ اور کھونٹی پر لٹکا کر وہ بھی سو گئیں۔ نواب صاحب نے جو صبح کو نہا دھو کر پائجامہ پہنا تو وہ نیکر بن کر گھٹنوں سے اوپر پہنچ گیا۔ نواب صاحب نے سر پیٹ لیا اور سسرال کا سفر کھٹائی میں پڑ گیا۔

حضرات گرامی! دیکھا آپ نے؟ چار عورتوں نے جو ایک پائجامہ پر قینچی چلا کر کتر بیونت کر دی تو رات بھر میں پائجامہ کو نیکر بنا ڈالا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس زمانے کے مولویوں نے جو قرآن مجید کا کتر بیونت شروع کر دیا ہے تو اس کا انجام کیا ہو گا؟

عبادت کیا ہے؟:۔ بہر حال اسی خیال سے میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کو عبادت کے معنی تو بتلاتا چلوں۔ تاکہ آپ "کتر بیونت" کرنے والوں سے ہوشیار رہیں۔ اچھا سنئے۔ اور میری مت سنئے۔ بلکہ حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سنئے جن کی تفسیر پر دیوبندی اور بریلوی دونوں جماعتوں کے علماء کا اعتماد ہے اور ہندوستان و پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے تمام مدارس عربیہ میں اس تفسیر کے درس کا ڈنکا بج رہا ہے۔ حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں؟ ذرا غور سے سنئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

وَالْعِبَادَةُ اَقْصٰی غَایَةِ الْخَضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ۔ (بیضاوی ص8)

"یعنی عبادت کے یہ معنی ہیں کہ انتہائی درجے کی عاجزی اور انتہائی ذلیل بن جانے کی انتہا۔"

مسلمان بھائیو! سن لیا آپ نے؟ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ عاجزی اور تذلل کا انتہائی اور آخری درجہ عبادت کہلاتا ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انتہائی عاجزی کی حد، اور انتہائی ذلیل بن جانے کا معیار کیا ہے؟ کون سے عمل کو ہم "انتہائی عاجزی" نہ کہیں۔ آخر اس کی پہچان کے لئے کوئی نہ کوئی کسوٹی تو ہو گی؟ اب اسی معیار اور کسوٹی کو معین کرنا ہے کہ ہر عمل کو اس پر پرکھ کر ہم کہہ سکیں کہ فلاں عمل "عبادت" ہے اور فلاں عمل "عبادت" نہیں ہے۔

پھر یہاں ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ جب ہم نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ "یہ عبادت کر رہا ہے"۔ اور جب ہم اپنے افسر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو کوئی بھی نہیں کہتا کہ "یہ عبادت کر رہا ہے۔" بلکہ سب یہ کہتے ہیں کہ "یہ تعظیم کر رہا ہے" اسی طرح ہم نماز میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہتے وقت ہاتھ چھوڑ کر کھڑے رہتے ہیں تو ہمارے اس "قیام" کو "عبادت" کہا جاتا ہے۔ اور اگر ہم کسی دکاندار کے سامنے ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں تو اس قیام کو کوئی بھی عبادت نہیں کہتا۔ یوں ہی ہم نماز میں رکوع کرتے ہیں تو ساری دنیا ہمارے اس جھکنے کو "عبادت" کہتی ہے اور ہم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ٹھیک رکوع کی صورت میں جھک کر زمین پر گری ہوئی سوئی تلاش کرتے ہیں تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جھکنے والا "عبادت" کر رہا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس نماز میں دونوں رانو زمین پر رکھ کر بیٹھئے تو یہ بیٹھک "عبادت" کہلاتی ہے۔ اور ٹھیک اس ہیئت پر استاد یا پیر کے سامنے بیٹھئے تو یہ بیٹھک "عبادت" نہیں کہلاتی۔ نماز میں سجدہ کیجئے تو یہ عبادت ہے اور بالکل اسی صورت میں اگر کسی آپریشن کے وقت کوئی شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر سجدے کی ہیئت میں ہو جائے تو یہ "عبادت" نہیں ہے۔ الغرض قیام ہو یا قعود، رکوع ہو یا سجود، قومہ ہو یا جلسہ نماز کی حالت میں تو یہ سب صورتیں "عبادت" کہلاتی ہیں اور نماز کے باہر یہ سب افعال عبادت نہیں کہلاتے اس لئے اب یہ سوچنا ہے کہ ایک ہی عمل کبھی تو عبادت کہلاتا ہے اور کبھی عبادت نہیں کہلاتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کسی فعل کے عبادت ہونے یا عبادت نہ ہونے کا آخر کوئی معیار تو ہونا چاہئے؟ ایک ہی عمل کسی حالت میں عبادت ہوتا ہے اور کسی حالت میں عبادت نہیں ہوتا۔ کون عمل کس حالت میں "عبادت" ہے اور کس حالت میں "عبادت" نہیں ہے۔ آخر اس کے جاننے اور پہچاننے کی کسوٹی تو ہوگی؟ اب اسی پر غور کرنا ہے کہ "عبادت" اور "غیر عبادت" کے پہچاننے کا معیار اور کسوٹی کیا ہے؟ وہ کونسا آلہ یا پیمانہ ہے جس سے پرکھ کر ہم یہ پہچان لیں کہ فلاں عمل عبادت ہے اور فلاں عمل عبادت نہیں ہے۔

تو برادرانِ ملت! حضرت علامہ بیضاوی علیہ الرحمہ نے اس کا بہترین معیار مقرر فرما کر انتہائی واضح فیصلہ کر دیا ہے۔ جس کی روشنی میں ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ کون عمل عبادت ہے اور کون عمل عبادت نہیں ہے۔ سنئے علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ:

وَالْعِبَادَةُ اَقْصٰی غَایَۃِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ

یعنی انتہائی درجے کی عاجزی، اور اپنی ذلت ظاہر کرنے کی انتہا کا نام "عبادت" ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ انتہائی عاجزی و تذلل کا نام "عبادت" ہے تو اب سن لیجئے کہ ایک انسان کی انتہائی عاجزی کی حد کیا ہے؟ تو میرے دوستو اور بزرگو! خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ ایک انسان کی انتہائی عاجزی یہی ہے کہ انسان کسی کو اپنا خدا مان کر اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنی ذلت کی انتہا کر دے۔ بس کسی کو اپنا خدا مان کر اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنی ذلت ظاہر کرنا یہی ایک انسان کی انتہائی عاجزی کی حد اور انتہا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نظروں سے نہاں کیوں رہتے ہو؟ جب جان لیا پہچان لیا
منشائے حجاب آخر کیا ہے؟ تم کو تو "خدا" بھی مان لیا

حضرات یہی وجہ ہے کہ نماز میں جھکنا اور پیشانی زمین پر رکھنا "عبادت" ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خدا مان کر انسان اس کے حضور میں اپنی ذلت اور عاجزی کا اظہار کر رہا ہے۔ اور نماز کے علاوہ کسی کے آگے جھکنا اور پیشانی زمین پر رکھنا اسی لئے "عبادت" نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنا خدا مان کر اس کے آگے اپنی انتہائی عاجزی اور ذلت کا اظہار نہیں کر رہا ہے تو پتہ چلا "عبادت" اور "غیر عبادت" کا دار و مدار اور اس کے جاننے اور پہچاننے کی کسوٹی اور معیار یہی ہے کہ جب تک تم کسی کو اپنا خدا مان کر اس کے آگے اپنی انتہائی ذلت و عاجزی کا اظہار نہ کرو گے اس وقت تک تمہارا کوئی عمل، خواہ وہ قیام و قعود ہو یا رکوع و سجود ہرگز ہرگز عبادت نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت علامہ بیضاوی قدس سرہ نے فرمایا:

وَلِذَالِكَ لَا تُسْتَعْمَلُ اِلَّا فِی الْخُضُوْعِ لِلّٰهِ تَعَالٰی

(بیضاوی ص 8)

یعنی عبادت کا لفظ صرف اسی عاجزی پر بولا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو عاجزی پیش کی جاتی ہے وہ اس کو خدا مان کر کی جاتی ہے اور خدا کے سوا دوسروں کے آگے جو عاجزی کی جاتی ہے وہ چونکہ اس کو خدا مان کر نہیں کی جاتی

اس لئے اس کو تعظیم یا ادب تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر گز ہر گز اس کو "عبادت" نہیں کہہ سکتے۔
مسلمانو! علامہ بیضاوی کی اس تقریر سے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ بزرگان دین کے مزاروں پر ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہونا ہر گز ہر گز عبادت نہیں کہلائے گا بلکہ اس کو ادب اور تعظیم ہی کہا جائے گا کیونکہ کوئی مسلمان بھی ان بزرگوں کو اپنا خدا مان کر ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہیں کھڑا ہوتا۔ اب تم لوگ سمجھ لو کہ اس کو جو لوگ غیر اللہ کی عبادت اور شرک کہتے ہیں۔ وہ لوگ یا تو بالکل ہی جاہل اور نادان ہیں یا عناد کے دبیز پردوں نے ان کی حقیقت شناس نگاہوں پر ایسا حجاب ڈال دیا ہے کہ بصارت ہونے کے باوجود ان کی بصیرت رفوچکر ہو گئی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی ہدایت کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

نوک جھونک:۔ حضرات گرامی! اس سلسلے میں مجھے اپنا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مقدس کے سامنے میں ہاتھ باندھ کر ادب کے ساتھ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی کھردرے کھردرے قسم کے مولوی صاحب آئے جن کا پائجامہ ضرورت سے زیادہ اونچا اور کرتا ضرورت سے زیادہ نیچا تھا۔ وہ ہاتھ کھول کر کھڑے ہوئے اور کچھ پڑھنے لگے اور مجھ کو بڑی زہریلی اور ترچھی نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ جب ہم دونوں مزار شریف سے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے ڈانٹ کر بڑے کرخت لہجے میں کہا کہ "قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔" میں نے کہا کیوں صاحب؟ تو تڑپ کر بولے کہ "یہ نماز کی صورت ہے۔" میں نے انتہائی متانت کے ساتھ عرض کیا کہ پھر تو ہاتھ کھول کر بھی قبر کے سامنے نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔ یہ سنتے ہی وہ چلا کر بولے کہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ "سمع الله لمن حمده" کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونا یہ بھی تو نماز ہی کی صورت ہے، لہٰذا ایک ہاتھ سر پر اور ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر قبر کے سامنے کھڑا ہوا کیجئے تاکہ نماز کی صورت نہ رہے۔ میرا یہ گرم گرم جملہ سن کر مولوی صاحب کو بس آگ سی تو لگ گئی۔ اور بالکل غصے میں آگ بگولہ ہو کر کہنے لگے کہ جائیے رہنے دیجئے آپ اپنی "منطق" تو میں نے بھی کہہ دیا کہ آپ بھی رہنے دیجئے اپنی "ونطق" پھر تو وہ اس طرح جلدی جلدی بھاگے، جیسے کوئی ان کو ذبح کرنے کے لئے دوڑ رہا ہو۔ میں ہر چند بلاتا رہا کہ "سنئے تو سہی۔ سنئے تو سہی!" مگر وہ یہی کہتے رہے اور بھاگتے رہے کہ "میں بحث نہیں کرتا۔ میں بحث

نہیں کرتا۔" بھاگتے ہوئے وہ اس عمارت میں گھس گئے جس کو لوگ "تبلیغی مرکز" کہتے ہیں۔ مولوی صاحب کا تو نہ معلوم کیا ہوا؟ مگر اس نوک جھونک سے سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ اور کئی ایک آدمی تو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

استعانت:۔ بہر کیف "عبادت" کے معنی تو آپ ایک حد تک سمجھ چکے۔ اب آیئے میں "استعانت" کے بارے میں بھی کچھ آپ کو سنا دوں۔ اچھا سنئے۔ استعانت کے معنی ہیں "مدد طلب کرنا۔"

حضرات! اب اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی کو ذہن نشین کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کے ذہن میں اتار دوں کہ مدد طلب کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اللہ سے مدد طلب کرنا۔ دوسرے غیر اللہ سے مدد طلب کرنا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا تو ہر مسلمان پر فرض ہی ہے۔ اس میں کیا کلام ہے؟ کیونکہ جو اللہ سے مدد طلب کرنے کا قائل نہ ہو وہ تو مسلمان ہی نہیں۔ اب رہ گیا غیر اللہ یعنی اللہ کے سوا دوسروں سے مدد طلب کرنا۔ تو یہ وہ مسئلہ ہے کہ زمانہ حال کے مولویوں نے اس کو اس قدر الجھا دیا کہ افراط و تفریط کی آندھیوں کے گرد و غبار میں اس مسئلہ کا صحیح خدوخال ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور عوام کے لئے یہ جنگ و جدال کا سامان بن کر رہ گیا حالانکہ میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر نیک نیتی کے ساتھ دور حاضر کے علماء اس مسئلہ کو حل کر دیتے تو آج عوام میں جنگ و جدال کی یہ گرم بازاری نہ ہوتی۔ مگر واللہ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ۔

جہالت ہر اک بات میں ہو گئی
"حقیقت" خرافات میں کھو گئی

حضرات گرامی! اس مسئلے کا صحیح حل یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو خدا ہی کی طرح ذاتی قدرت والا اور حقیقی مستعان مان کر یہ سمجھتے ہوئے اس سے مدد مانگی جائے کہ وہ بلا خدا کے اذن و حکم کے اپنی ذاتی طاقت سے ہماری مدد کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا ایسا کھلا ہوا شرک ہے کہ اس کو عالم تو عالم کوئی جاہل بھی جائز نہیں ٹھہرا سکتا! اور دوسری صورت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو یہ سمجھ کر اس سے مدد مانگی جائے کہ یہ خدا ہی کا بندہ اور اس کی

مخلوق ہے اور وہ خدا ہی کی بخشی ہوئی طاقت اور خدا ہی کے حکم سے ہماری مدد کر سکتا ہے بس خدا نے اس کو ہماری مدد فرمانے کا ایک ذریعہ بنادیا ہے۔ تو یہ غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وہ صورت ہے کہ اس کو نہ کوئی دیوبندی ناجائز بتا سکتا ہے نہ کوئی بریلوی۔

عزیزان ملت! ہم دن رات، صبح و شام، ہر گھڑی جو غیر اللہ سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں وہ یہی دوسری صورت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہم حکیم وڈاکٹر سے شفا کے لئے مدد طلب کرتے ہیں۔ ہم حاکموں سے انصاف کے لئے مدد مانگتے ہیں۔ ہم مکان کی تعمیر میں معماروں اور مزدوروں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ہم مسجدوں کے بنانے اور مدرسوں کو چلانے میں مالداروں سے مدد مانگتے ہیں۔ غرض ہم اپنے لاکھوں کاموں میں ہر دم، ہر وقت غیر اللہ سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے آج تک یہ نہیں دیکھا کہ کسی مولوی صاحب کو بھوک پیاس لگتی ہو تو وہ کسی مسجد کے مصلیٰ پر بیٹھ کر خدا سے کھانے اور پانی کی مدد مانگتے ہوں۔ بلکہ مولوی صاحبان بھی کھانے اور پانی کے لئے انسانوں ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ وہ ہوٹل والے کو خدا سمجھ کر اس سے کھانا نہیں مانگتے۔ بلکہ یہی سمجھ کر مانگتے ہیں کہ کھانا پانی اور ہماری ضروریات زندگی کا حقیقی طور پر دینے والا تو خدا ہی ہے مگر یہ ہوٹل والا خدا ہی کی دی ہوئی طاقت سے، اور خدا ہی کے دلانے سے ہمیں کھانا دے رہا ہے۔ اگر خدا نہیں چاہے گا تو یہ ہوٹل والا ہم کو ایک چاول کا دانہ بھی نہیں دے سکتا۔ تو بتائیے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد مانگنے کو دنیا میں کون ہے جو شرک کہہ سکتا ہے؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد طلب کرتے رہنا در حقیقت اللہ ہی سے امداد طلب کرنا ہے۔ اور یہی مطلب ہے "ایاك نستعین" کا۔ کہ ایک مسلمان کو لازم ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں خدا ہی کو اپنا حقیقی مددگار جانتا اور مانتا رہے اور دنیا میں جس کسی سے بھی وہ مدد مانگے۔ اور جو بھی اس کی مدد کرے اور جہاں سے بھی اس کو مدد ملے وہ یہی سمجھے اور یہی کہے کہ ؎

نہ کس می دہاند نہ کس می دہد
خدا می دہاند، خدا می دہد

یعنی نہ کوئی کچھ دلاتا ہے نہ کوئی کچھ دیتا ہے۔ بس خدا ہی دلاتا ہے اور خدا ہی دیتا ہے۔

برادران ملت! یہی وہ خدا کے سوا دوسروں سے مدد مانگنے کی صورت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید میں اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ فرما کر اپنے بندوں کو حکم دیا کہ تم لوگ صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ اور یہی وہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا طریقہ ہے جس کا قرآن میں بیان ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے اَعِیْنُوْنِی بِقُوَّةٍ کہہ کر "سد سکندری" کے بنانے میں انسانوں سے مدد مانگی اور یہی وہ غیر اللہ سے استعانت کی شکل ہے جو حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی مسافر سنسان بیابان میں راستہ بھول جائے اور کوئی راہنما اور راہبر نہ ملتا ہو تو وہ یوں نعرہ لگائے یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو تو ملائکہ یا رجال الغیب خدا کے حکم سے اس کی مدد کریں گے۔

برادران ملت! اب اس حقیقت کی روشنی میں یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے رسول سے اسی مغفرت کے لئے مدد مانگتا ہے اور شفاعت کی امداد طلب کرتا ہے۔ ایک مسلمان خاصان خدا انبیاء و اولیاء سے ان کی توجہ، ان کا فیض، اپنی مشکلات میں ان کی مدد طلب کرتا ہے۔ مگر یہ سمجھ کر مدد مانگتا ہے کہ انبیاء و اولیاء خدا ہی کے مقبول و محبوب بندے، اور خدا ہی کی افضل و اعلیٰ مخلوق ہیں۔ اور ان مقدس بندوں کے پاس جو طاقت و قدرت بھی ہے وہ خدا ہی کی بخشی ہوئی ہے اور وہ خدا ہی کے حکم سے ہماری امداد و مدد فرماتے ہیں تو کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ "ایاك نستعین" کی مقدس تعلیم دین پر عمل نہیں کرتے۔ اور کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ شرک کر رہے ہیں؟ مگر مسلمانو! ذرا غور کرو کہ اس حقیقت کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی کچھ مولوی صاحبان ان موحد مسلمانوں کو علی الاعلان مشرک کہتے ہیں جو اپنے جوش محبت میں "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ" اور "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً لله" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ للہ! انصاف کرو۔ کیا یہ ہمالیہ سے زیادہ بڑا ظلم و ستم نہیں ہے؟ کہ سچے مسلمانوں کے صاف و شفاف دامن توحید پر شرک کی نجس اور گندی کیچڑ اچھالی جائے۔ اے مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگانے والو! للہ! خدا کا خوف کرو اور اپنی زبانوں کی برچھیوں اور نوک قلم کے تیروں سے مسلمانوں کی رگ ایمان کو زخمی نہ کرو۔ ہم تم سے اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ ؎

قریب ہے یار روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

اور مسلمانو! ہم تم سے ہمیشہ یہی کہتے رہے اور آج بھی ہم تم سے یہی کہتے ہیں کہ ؎

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر
لباس خضر میں یاں سینکڑوں رہزن بھی رہتے ہیں

خدا کے لئے تم ایمان کے ان رہزنوں سے ہوشیار رہو۔ ان سے دور رہو۔ میری دعا ہے کہ خداوند کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل میں دین وایمان کی حفاظت فرمائے (آمین)

صراطِ مستقیم:۔ بہرکیف اب اگلی آیت کا ترجمہ سنئے۔ حضرت حق جل جلالہٗ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا کہ اے میرے بندو! تم لوگ میرے دربار میں یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔ اور خدا کے سوا کسی کو اپنا حقیقی حاجت روا سمجھ کر اس سے استعانت نہیں کرو گے۔ اب تم لوگ اپنی دعا کی درخواست بارگاہ الٰہی میں اس طرح پیش کرو کہ "اھدنا الصراط المستقیم" یعنی اے اللہ! ہماری زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد اور ہماری حیات کا نصب العین یہی ہے کہ ہم "صراط مستقیم" یعنی سیدھے راستے پر چلا۔

حضرات! جب بندے نے خدا سے یہ دعا مانگی کہ تو ہم کو صراط مستقیم پر چلا تو سوال پیدا ہوا کہ "صراط مستقیم" کیا ہے؟ اور سیدھا راستہ کون ہے؟ تو اگلی آیت میں خداوند عالم نے صراط مستقیم کی توضیح و تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ط غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ ط یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ ان لوگوں کے راستے پر ہم کو نہ چلا جو تیرے غضب میں گرفتار ہوئے اور نہ ان لوگوں کے راستے پر ہم کو چلا جو گمراہ اور بھٹکے ہوئے ہیں۔

تین راستے:۔ حضرات! اس آیت سے معلوم ہوا کہ راستے تین ہیں۔ ایک انعام خداوندی پانے والوں کا راستہ۔ دوسرا خدا کے غضب میں پڑنے والوں کا راستہ۔ تیسرا گمراہوں کا راستہ۔ احکم الحاکمین نے اپنے مومن بندوں کو اس آیت میں یہ حکم عطا فرمایا ہے کہ تم لوگ خدا سے صراط مستقیم پر استقامت طلب کرو۔ یعنی ان تینوں راستوں میں سے اس راستہ پر چلنے کی دعا مانگو جو خدا کے ان مقبول بندوں کا راستہ ہے جن کو خداوند قدوس نے اپنے انعام واکرام سے دونوں جہان میں سرفراز فرمایا ہے اور ان دو راستوں سے بچنے کی دعا مانگو جو ان سیہ بختوں اور بدنصیبوں کا راستہ ہے جن پر قہر قہار اور غضب جبار کی مار پڑ گئی ہے اور جو گمراہیوں کے عمیق غار میں گر کر

عذاب نار کے سزاوار ہو چکے ہیں۔

صراط مستقیم کیا ہے:۔ حضرات! اب آپ نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا کہ "صراط مستقیم" وہی راستہ ہے جو انعام خداوندی پانے والوں کا راستہ ہے تو اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ وہ کون ہیں جن پر خدا کا انعام ہے؟ سنئے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء)

یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان بزرگوں کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

حضرات سن لیا آپ نے؟ جن لوگوں پر خدا کا انعام ہے۔ ان کی چار جماعتیں ہیں۔ اول نبیوں کی جماعت، دوسرے صدیقوں کی جماعت، تیسرے شہیدوں کی جماعت، چوتھے صالحین کی جماعت، دیکھ لیجئے۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا کہ ان چاروں جماعتوں پر خدا کا انعام ہے اور ان ہی چاروں جماعتوں کا راستہ "صراط مستقیم" ہے جو ہر مومن کی حیات کا سب سے بڑا نصب العین اور اس کی زندگی کا مقصد اعلیٰ و مقصود اعظم ہے جس کے لئے ہر مومن اپنی نماز کی ہر ہر رکعت میں گڑگڑا گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگتا ہے اور جو راستہ ان چاروں مقدس جماعتوں کی راہ کے خلاف ہے۔ وہ یقیناً ان کور بختوں کا راستہ ہے جو غضب الٰہی کی زحمتوں کے حق دار اور گمراہی کے وبال عظیم میں گرفتار ہیں۔ خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا کفار و مشرکین ہوں یا منافقین و مرتدین ہوں۔ خدا کی قسم! یہ سب کے سب "مغضوب علیهم" اور سب کے سب "ضآلین" ہیں۔ اور ان سب کا مذہب و مسلک نار جحیم کی وہ بھیانک اور خوفناک سڑک ہے جس پر چلنے والوں کا انجام "عذاب الیم" کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

معمولاتِ اہل سنت:۔ برادران ملت! جب اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کا راستہ ہی "صراط مستقیم" ہے اور ان ہی لوگوں کا راستہ شاہراہ ہدایت ہے، تو اب یہ مسئلہ آفتاب کی روشنی کی طرح روشن ہو گیا کہ جس طرح نماز و روزہ اور

حج وزکوٰۃ وغیرہ ان چاروں مقدس جماعتوں کا طریقہ ہے۔ اسی طرح میلاد شریف، قیام، صلوٰۃ وسلام، فاتحہ وزیارت قبور، تعظیم انبیاء واکرام اولیاء وغیرہ معمولات اہلسنت بھی ان ہی انبیاء و صدیقین اور شہداء وصالحین ہی کا طریقہ ہے۔ یہ ہر گز یہود و نصاریٰ یا کفار و مشرکین کا طریقہ نہیں ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یقیناً یہ سب معمولات اہلسنت "صراط مستقیم" میں داخل ہیں۔ اور ان معمولات صالحین کا انکار کرنے والے بلاشبہ "صراط مستقیم" سے بھٹکنے والے ہیں۔

حضرات! قرآن مجید کی ایک دوسری آیت بھی اس موقع پر ملاحظہ فرمالیجئے۔ حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا" (نساء)

یعنی جو شخص ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے غیر کی پیروی کرے گا ہم اس کو اسی راہ پر لگا دیں گے جس راہ پر وہ چلا اور ہم اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

مسلمانو! غور کرو کہ اس آیت میں خداوند عالم نے "سبیل المومنین" کا لفظ ارشاد فرمایا جس کے معنی ہیں "مومنین کا طریقہ" اور یہ بھی فرمایا کہ جو طریقہ مؤمنین کی مخالفت کرتا ہے وہ در حقیقت رسول کی مخالفت کرتا ہے اور جو رسول کی مخالفت کرتا ہے وہ جہنمی ہے۔

حضرات! ان آیتوں کو بغور دیکھنے سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ "صراط مستقیم" اور "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" یعنی انعام خداوندی پانے والوں کا راستہ اور "سبیل المؤمنین" یعنی مومنین کا طریقہ یہ سب ایک ہی ہیں۔

اب مسلمانو! تم مجھے بتاؤ کہ میلاد شریف، اور قیام و سلام، انبیاء و اولیاء کی تعظیم اور ان کا اکرام واحترام یہ سب "مومنین" کا طریقہ ہے یا "کافرین" کا۔ دنیا میں وہ کون بصارت و بصیرت کا اندھا انسان ہے؟ جو اعمال صالحہ کو کافرین کا راستہ اور طریقہ کہہ سکتا ہے؟ یقیناً ہر شخص یہی کہے گا کہ بلاشبہ یہ راستہ اور طریقہ "مومنین" کا ہے۔ تو پھر ثابت ہو گیا کہ یہ "سبیل المومنین" ہے۔ اور جب یہ "سبیل المومنین" ہے تو پھر ثابت ہو گیا کہ یہ "صراط مستقیم" ہے

اور جب یہ صراط مستقیم ہے تو ان ہی لوگوں کا راستہ ہے جن پر انعام خداوندی ہے اور جو اس راستے سے ہٹنے اور بھٹکنے والے ہیں وہ یقیناً "صراط مستقیم" سے بہکنے والے ہیں۔ اور بلاشبہ ان دو راستوں کے راہی ہیں جو مغضوب علیھم اور ضالین کا راستہ ہے۔ کیونکہ میں عرض کر چکا کہ سورۂ فاتحہ نے اعلان کر دیا ہے کہ کل تین ہی راستے ہیں۔ عزیزو اور دوستو! اب تینوں راستے آپ کے سامنے ہیں اور تینوں راستوں پر چلنے والوں کا انجام بھی آپ کے پیش نظر ہے۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ تم کو کون سے راستے پر چلنا ہے!

حضرات! آپ اس کے سوا اور کیا کہیں گے؟ کہ "صراط مستقیم" پر چلنا ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جو انعام خداوندی کی دولتوں سے مالا مال ہو کر دونوں جہان کی سعادتوں سے سرفراز ہو گئے۔ خداوند کریم ہمیں اور آپ کو اسی مقدس راستے پر چلائے اور خاتمہ بالخیر عطا فرمائے۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آله و صحبه اجمعین۔

بتیسواں وعظ

روزِ ازل کے دو اجلاس

محمد سے صفت پوچھو خدا کی
خدا سے پوچھیے شانِ محمد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ ط

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ط فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ط (ال عمران)

حضرات گرامی! ایک ایک بار بآواز بلند بارگاہ رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور کیف و سرور میں جھوم جھوم کر پڑھئے!

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۔ صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۔ صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حضرات! الحمد للہ کہ ہم اور آپ اس وقت ایک جلسہ ”سیرۃ النبی“ میں حاضری کی سعادت سے سرفراز ہو رہے ہیں اور خداوند قدوس کے محبوب اکرم رسول اعظم ﷺ کے ذکر جمیل سے اپنی ایمانی زندگانی کی حیات جاودانی کا سامان کر رہے ہیں۔ جن کی ذات گرامی سے والہانہ محبت عین ایمان، بلکہ ایمان کی جان ہے۔ سبحان اللہ

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا، فروغ وادئ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں، وہ یٰسین وہی طٰہٰ

برادران ملت! اس قسم کے نورانی اجلاس صرف یہیں نہیں بلکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں بلکہ تمام عالم اسلام میں پوری شان و شوکت اور نہایت ہی آن بان کے ساتھ ہمیشہ منعقد ہوتے ہی رہتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ان جلسوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

حضرات! اس وقت خطبہ کے بعد میں نے سورۂ آل عمران کی جن دو آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان دو آیتوں کا مضمون کیا ہے؟ آپ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہو گا کہ یہ دونوں آیتیں اسی قسم کے ایک بہت ہی عظیم الشان ''اجلاس سیرۃ النبی ﷺ کی مکمل روداد، اور مفصل رپورٹ ہیں۔'' یہ عظیم الشان اجلاس اس وقت منعقد ہوا تھا۔ جب روئے زمین پر انسان کا جنم بھی نہیں ہوا تھا بلکہ روح انسانی کا جسم انسانی سے ملاپ بھی نہیں ہوا تھا اس ایمانی اجلاس اور روحانی اجتماع کا انعقاد عالم ارواح میں ہوا۔ اور اس بے مثل و بے مثال جلسے کو خود خداوند لم یزل ولایزال نے منعقد فرما کر خود ہی اس اجلاس کو اپنے خطاب سے سرفراز فرمایا!

حضرات گرامی! بات یاد آ گئی تو ذرا تفصیل سے سن لیجئے۔ خالق کائنات جل جلالہٗ نے انسان کے روئے زمین پر آباد ہونے سے بہت پہلے عالم ازل میں دو بڑے ہی عظیم الشان جلسوں کا انعقاد فرمایا ایک ''جلسہ توحید'' دوسرا ''جلسہ سیرت'' جلسہ توحید ایک عام جلسہ تھا۔ جس میں عوام و خواص سبھی شریک اجلاس تھے۔ لیکن جلسہ سیرت بہت خاص الخاص اجلاس تھا۔ جس میں صرف ایسے خواص ہی مدعو تھے جو ساری کائنات عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ تھے اور ان دونوں جلسوں کو خود خلاق عالم نے اپنے شرف خطاب سے نوازا اور حاضرین اجلاس کو اپنے کلمات طیبات کی لطافتوں، اور اپنے کلام بلاغت نظام کی لذتوں سے لطف اندوز فرمایا۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! ان دونوں جلسوں کی عظمت و جلالت کا کیا کہنا؟ جن جلسوں کا داعی و بانی خلاق عالم ہو اور ان دونوں جلسوں کی کیفیت خطاب کا لذت کا کیا پوچھنا؟ جس میں خداوند قدوس کی شان کبریائی نے اپنی تجلی خطابت کے جلوؤں سے سامعین کی دنیائے دل و دماغ کو جگمگا دیا ہو۔ اللہ۔ اللہ! یہ جلسے تھے؟ یا رحمت الٰہی کی وہ بہشت تھی جس کے ہر نقش و نگار پر تمام جنتوں کی رعنائیاں قربان تھیں۔ اللہ اکبر! یہ خداوند قدوس کا خطاب تھا؟ یا اس کے انوار فضل و کرم کی وہ موسلادھار بارش تھی کہ جس کی ایک بوند اگر جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں پر پڑ جائے تو آگ میں ایسے ہرے بھرے باغ لگ جائیں کہ فردوسی چمن اور جنتی گلشن اس سے سرسبزی و شادابی کی بھیک مانگنے لگیں۔ سبحان اللہ! ان جلسوں کے حسین مناظر پر حسن کائنات کی دلفریبیاں

تصدق۔ اور اس خطاب خداوندی کی لذتوں پر جنتی نعمتوں کی جان قربان! واللہ! اب ان مقدس جلسوں کے نورانی مناظر کے دیدار کے لئے قیامت تک کائنات عالم کی مشتاق نگاہیں ترستی ہی رہیں گی۔ اور بخدا اس خطاب خداوندی کی لذتوں کے لئے دنیائے حواس کی پیاس ہمیشہ تشنہ کام ہی رہے گی۔

پڑھئے بآواز بلند ایک بار درود شریف: وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

جلسہ توحید:۔ بہرکیف اب میں روز ازل کے جلسہ توحید کی روداد سناتا ہوں اس کے بعد جلسہ سیرت کی سرگزشت بھی انشاءاللہ تعالیٰ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

حضرات گرامی! حدیث شریف میں ہے کہ روز ازل میں پروردگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو باہر نکالا۔ اور یہ سب ننھی ننھی چیونٹیوں کی طرح ایک جگہ خدا کے حکم سے جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتنا بڑا اجتماع عظیم ہو گا جس میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام اولین و آخرین سبھی ایک جگہ ایک اجلاس میں جمع ہوں گے۔ اس عظیم الشان اجلاس کو خطاب فرماتے ہوئے حضرت حق تعالیٰ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" یعنی اے اولاد آدم! بولو اور جواب دو کہ کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ تو تمام حاضرین اجلاس نے یک زبان ہو کر علی الاعلان یہ عرض کیا کہ "بَلٰى" یعنی کیوں نہیں۔ اے اللہ! ہم سب اس بات کا عہد و اقرار کرتے ہیں کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔ خداوند قدوس نے ان انسانوں سے یہ اقراری بیان لے کر ہر انسان کو ایک دوسرے کے عہد و اقرار پر گواہ بنادیا اور پھر اس کے بعد اس جلسہ اور اس عہد و میثاق کی وجہ اور اس کا سبب بھی حضرت حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ ہم نے یہ جلسہ کر کے تم انسانوں سے یہ عہد و اقرار اس لئے کرالیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ قیامت میں یہ کہنے لگو کہ اے اللہ! ہم تو اس سے غافل و ناواقف تھے اور ہم جانتے ہی نہیں تھے کہ تو ہمارا رب ہے۔ اس لئے لاعلمی میں ہم شرک کر بیٹھے۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اے اللہ! چونکہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے اور ہم انہیں کی اولاد تھے۔ اس لئے ہم اپنے باپ دادا کے دھرم پر چل پڑے۔ لہٰذا اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ اصل مجرم تو ہمارے باپ دادا ہیں۔ پھر ان کے گناہوں کی پاداش میں تو ہمیں کیوں

عذاب دے رہا ہے؟اس لئے اے انسانو! ہم نے تم پر اپنی حجت تمام کر لینے کے لئے اس جلسہ میں تم کو بلا کر تم سے اپنی ربوبیت اور توحید کا عہد لے لیا ہے۔ تاکہ تمہارے لئے قیامت میں کسی قسم کے کسی عذر کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

حضرات! اب ذرا قرآن کی مقدس زبان سے بھی اس کا تفصیلی بیان سن لیجئے ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا۔

یعنی اے محبوب! یاد کرو۔ جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان کی ذاتوں پر گواہ بنایا اور یہ فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب بولے کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں۔

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ لا

یہ اس لئے ہوا کہ تم کہیں قیامت کے دن یہ کہہ دو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔

اَوْتَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۰

یا یہ کہہ دو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کے بچے ہوئے۔ تو کیا (اے اللہ) تو ہم کو اس گناہ پر ہلاک فرمائے گا جو اہل باطل نے کیا۔

برادران اسلام! یہ تھی روز ازل کے جلسہ توحید کی روئیداد کہ حضرت رب العزت جل مجدہ نے تمام اولین و آخرین کو اس جلسہ میں بلا کر صرف دو جملوں میں تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت اور توحید کا عہد لیا اور اپنی وحدانیت کا اقرار کرایا اور وہ دونوں جملے یہی ہیں جن کو آپ سن چکے کہ باری تعالیٰ نے "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" فرمایا اور تمام انسانوں نے "بَلٰى" کہہ کر عہد کیا۔ پھر بانی اجلاس یعنی رب الناس جل جلالہٗ نے اس اجلاس کے مقصد پر روشنی ڈال کر جلسہ کے اختتام کا اعلان فرمادیا۔

جلسہ سیرت:۔ حضرات! جلسہ توحید کی سر گزشت کو آپ نے سن لیا۔ اب ذرا جلسہ سیرت کی کارروائی بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ اس جلسہ میں خداوند عالم نے تمام انسانوں کا عام اجتماع نہیں فرمایا۔ بلکہ انسانوں میں سے صرف ان مقدس اور برگزیدہ نفوس قدسیہ کو مدعو فرمایا جو تمام کائنات عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور جن کے سروں پر رب العزت نے نبوت کا تاج رکھ کر اقلیم عظمت کا تاجدار بنایا ہے۔ چنانچہ تمام انبیائے کرام جب شریک اجلاس ہو چکے، تو حضرت حق جل وعلا نے ان تاجداران نبوت کو اپنے خطاب سے سرفراز فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ اے تاجداران نبوت! سن لو۔ کہ میں تم لوگوں کو منصب نبوت کی عظمت سے سرفراز کروں گا اور تم لوگوں کو کتاب و حکمت کی انمول دولت سے مالا مال فرما کر تم کو اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے دنیا میں بھیجوں گا۔ پھر گلستان نبوت کا سب سے حسین پھول، میرا سب سے زیادہ پیارا رسول، جن کا نام نامی و اسم گرامی "محمد" ہے وہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور تمہاری نبوت و رسالت پر اور تمہاری کتاب و شریعت پر اپنی مہر تصدیق ثبت فرما کر تمہاری صداقت کا علم بلند فرمائیں گے تو اے نبوت کے تاجدارو! تم میرے اس دربار میں اس شہنشاہ رسالت کے لئے حلف وفاداری اٹھاؤ اور عہد کرو کہ اگر وہ تمہارے دور میں تشریف لائیں تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور ان کی امداد و نصرت کے لئے کمربستہ ہو کر تیار ہو جاؤ گے۔ حضرت حق جلالہٗ کا یہ فرمان خداوندی سن کر تمام انبیاء و مرسلین نے پورے پورے جذبہ اطاعت شعاری کے ساتھ دربار باری میں عہد و وفاداری کا اعلان کیا۔ اور پھر خداوند قدوس نے طرح طرح سے اپنے فرمان خداوندی کی ہیبت و جلال سے اس عہد و پیمان کو محکم و مستحکم فرمایا اور کس کس طرح اس عہد و میثاق پر تاکید کی مہر ثبت فرمائی۔ اس کا تفصیلی بیان ذرا قرآن کی مقدس زبان سے سنئے۔ حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے اس بات کا پختہ عہد لیا کہ میں جو تم کو کتاب و حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم

ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔

قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْآ اَقْرَرْنَا ط

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اس کا اقرار کیا؟ اور اس پر میرا بھاری عہد لیا تو تمام نبیوں نے کہا کہ ہم نے اس عہد کا اقرار کیا۔

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ط فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ (آل عمران)

خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ تو پھر اس عہد کے اقرار پر تم لوگ ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ اور میں بھی تم لوگوں کے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو اب جو کوئی اس کے بعد اقرار سے پھرے گا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

مسلمانوں! خطاب الٰہی کی اس پر جلال عظمت پر ایک نگاہ ڈالو۔ کہ ابھی یہ انبیاء کرام دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ نہ ابھی نبی آخر الزمان نے اس عالم رنگ و بو کو اپنے مقدس قدموں سے پامال فرمایا ہے۔ ابھی سب کے سب عالم ارواح کی دنیا میں آباد ہیں مگر ابھی سے جناب باری عزاسمہ نے تمام نبیوں اور رسولوں سے حضور خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق و وفاداری اور نصرت و خدمت گزاری کا عہد محکم لے لیا۔ اور عہد بھی کیسا؟ ایسا عہد جس کا نام "میثاق" ہے یعنی اتنا مضبوط و محکم عہد اور وعدہ جو کبھی ٹوٹ نہ سکے۔ پھر ذرا خداوند عالم کی شان تکلم کا پر جلال تیور تو ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے تو لام تاکید بانون تاکید کے ساتھ یہ شہنشاہی حکم دیا جاتا ہے کہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور صرف ایمان لانا ہی تمہارا فریضہ نہیں۔ بلکہ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ یعنی یہ بھی تمہارے فرائض میں اہم ترین فریضہ ہے کہ تم جہاں بھی رہو۔ جس حال میں بھی رہو۔ جس کام میں بھی رہو۔ بہر حال ہر دم ہر قدم پر نبی آخر الزمان کی نصرت و یاری پوری پوری خدمت گزاری بھی کرتے رہو۔ اور اپنے تن من دھن کے ساتھ چشم و ابرو کے ہر اشارہ پر، وفاداری اور جاں نثاری کے جذبہ سے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہو۔

حضرت! خداوند ذوالجلال کا یہ پر جلال فرمان ہی انبیائے کرام کے لئے بہت کافی تھا۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ معصوموں کی یہ مقدس جماعت فرمان الٰہی کی تعمیل سے ذرہ برابر

بھی روگردانی یا کوتاہی کرتی۔ مگر حضرت حق کے جلال نے اپنے اس فرمان ہی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے اس فرمان والاشان کے بعد اپنے شہنشاہی انداز اور حاکمانہ لہجہ میں انبیائے کرام سے سوال فرمایا کہ "کیا تم لوگوں نے میرے اس فرمان کی اطاعت گزاری اور فرمانبرداری کا اقرار کر لیا؟" اس کے جواب میں تمام نبیوں اور رسولوں نے اپنے انتہائی جذبہ عبودیت و جوش اطاعت کے ساتھ "اَقْرَرْنَا" کہہ کر خدا کے اس حکم کی فرمانبرداری کا اقرار کیا۔ پھر اس اقرار عہد کے بعد بھی رب العزت نے جلسہ برخاست کرنے کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ ایک دوسرا حکم دیا کہ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ یعنی اے نبوت کے تاجدارو! تم نے اپنے سب سے بڑے شہنشاہ رسالت کی تصدیق و اطاعت کا حلف وفاداری تو اٹھا لیا لیکن اب تم لوگ اپنے اس عہد کے اقرار پر ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ اور میں خود بھی تمہارے اس اقرار پر گواہ ہوں۔

حضرات گرامی! پروردگار عالم نے فرمان صادر فرمایا۔ پھر حضرات انبیائے کرام سے اس فرمان کی قبولیت واطاعت کا اقرار بھی کرا لیا۔ پھر اس اقرار پر سب کو گواہ بھی بنا لیا۔ پھر خود بھی اپنے گواہ ہونے کا اعلان فرما دیا۔ مگر اب بھی خطاب الٰہی کا جلال ختم نہیں ہوا۔ بلکہ انبیائے معصومین کو جن سے معصیت و روگردانی کا کوئی امکان ہی نہیں تھا ایک وعید شدید سنا کر ایسی تاکید مزید فرما دی کہ رسول تو رسول نبی تو نبی ان کا کوئی ادنیٰ امتی بھی نافرمانی کے تصور ہی سے لرزہ براندام ہو جائے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

یعنی جو کوئی اس کے بعد اپنے عہد سے پھرے گا اس کا نام فاسقوں کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔

دونوں جلسوں کا فرق:۔ برادران ملت! آپ نے روز ازل کے اجلاس توحید اور جلسہ سیرت دونوں کی مفصل رپورٹ ملاحظہ فرمائی "اجلاس توحید" ایک دربار عام تھا جس میں انبیاء و مرسلین بھی شریک اجلاس تھے اور دوسرے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان بھی حاضر تھے مگر "جلسہ سیرت" ایک دربار خاص تھا۔ جس میں انبیاء و مرسلین کے سوا کسی کا گزر نہیں تھا۔ اجلاس توحید میں خداوند ذوالجلال نے تمام انسانوں سے اپنی توحید و ربوبیت کا عہد لیا۔ اور جلسہ سیرت میں تمام انبیاء اور رسولوں سے خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق و نصرت کا عہد لیا۔

حضرات! اگر آپ نے میری تقریر کو غور سے سنا ہے۔ تو یقیناً آپ نے خداوند عالم کے طرز خطاب سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ خلاق عالم نے انبیاء کرام سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تصدیق و نصرت اور امداد و اعانت کے لئے کس شان کے ساتھ عہد لیا؟ اور اس عہد و میثاق کے اتمام و استحکام میں کس قدر اور کتنا عظیم الشان اہتمام فرمایا؟ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت حق تعالیٰ جل جلالہٗ کو انبیائے کرام پر اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ اے تاجداران نبوت! تم کو اگرچہ میں نے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تم کو اپنے امتیوں پر فضل و کمال کی جتنی فوقیت حاصل ہے اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر تمہارے اوپر شہنشاہ رسالت کو افضلیت حاصل ہے۔ تم انبیاء ہو تو وہ امام الانبیاء ہیں۔ تم نبیین ہو تو وہ خاتم النبیین ہیں۔ تم مرسلین ہو تو وہ سید المرسلین ہیں۔ وہ مراتب و درجات اور فضائل و کمالات کے اتنے بڑے بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہیں کہ تمہاری نبوت کے تاج ان کے دربار جود و سخا میں کاسہ گدائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ان کی تصدیق کے چراغ روشن کر کے اپنی نبوت کے تاج کو عزت و عظمت کا آفتاب بنالو اور جذبہ عقیدت و جوش اطاعت کے ساتھ ان کی حمایت و نصرت کا علم بلند کر کے اپنے عزت و وقار کے پرچم کو سربلند کرلو!

حضرات گرامی! اسی عہد ربانی کا جلوہ ہے کہ ہر نبی و رسول اپنے اپنے دور میں حضور نبی آخر الزمان خاتم پیغمبران علیہ السلام کی دعوت کا نقیب اور ان کی مدح و ثناء کا خطیب رہا۔ چنانچہ حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر حضرت عیسیٰ روح اللہ تک جتنے نبی و رسول دنیا میں تشریف لائے سبھی نبی آخر الزمان کی آمد آمد کا مژدہ سناتے رہے اور طرح طرح سے بارگاہ عظمت میں اپنی نیاز مندیوں کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے۔

حضرت آدم کا وسیلہ:۔ چنانچہ خدا کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بہشت سے روئے زمین پر تشریف لائے اور خدا سے اپنی مغفرت کی دعا مانگی تو جناب باری میں گریہ و زاری کے ساتھ یوں عرض کیا کہ یَارَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ یعنی اے میرے پروردگار! میں حضرت محمد علیہ السلام کے طفیل میں اپنی مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے حضرت محمد علیہ السلام کو کیونکر اور کس طرح جانا اور پہچانا؟ میں نے تو انہیں ابھی پیدا بھی نہیں فرمایا ہے۔ حضرت آدم نے عرض کیا کہ اے

میرے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے سر اٹھا کر جو دیکھا تو مجھے عرش پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ کا کتبہ نظر آیا۔ تو میں نے اسی وقت یہ جان لیا تھا کہ تیرے نام کے ساتھ جس کا نام عرش پر لکھا ہوا ہے۔ یقیناً وہ ہستی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی تیرا محبوب نہیں ہو سکتا۔ اس وقت خداوند عالم نے فرمایا کہ اے آدم! تم نے بالکل سچ ہی کہا اِنَّهٗ اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ فَغَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ لَمَا خَلَقْتُكَ (روح البیان ص230احزاب) یعنی بے شک وہ تمام مخلوق میں سب سے بڑھ کر میرا محبوب اور پیارا ہے۔ اور میں نے اے آدم تم کو اپنی مغفرت کی عنایتوں سے اس کے طفیل میں سرفراز فرمادیا۔ اور اے آدم! سن لو۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا ہی نہ فرماتا۔

اگر نام محمد رانیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کے نام نامی کو اپنا شفیع نہ بناتے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی کے ماتھے پر محمد رسول اللہ ﷺ کا طغریٰ نہ تحریر فرماتے تو نہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوتی اور نہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کی موجوں سے ساحل نجات پر پہنچتی۔

دعائے خلیل اللہ:۔ اسی طرح کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر جو دعا مانگی اس میں نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کے لئے خدا سے ان لفظوں میں التجا کی اور رب البیت کی بارگاہ عظمت میں یوں عرضی پیش کی وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی اے کعبہ کے رب! میرے نور نظر حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں اپنے عظمت والے رسول نبی آخر الزمان کو مبعوث فرمادے۔ چنانچہ آپ کی یہ پیاری پیاری دعا جناب باری کی بارگاہ عالی میں مقبول ہوئی کہ

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

لحن داؤدی کا نغمہ:۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف میں یہ وحی نازل ہوئی۔ جس کو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی لحن داؤدی کی لے میں تمام عمر بنی اسرائیل کو سناتے رہے۔

يَا دَاوُدُ اَنَّهٗ سَيَاْتِيْ بَعْدَكَ مَنْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَمُحَمَّدٌ صَادِقاً نَّبِيّاًلَا اَبْغَضُ عَلَيْهِ اَبَداً وَلَا يَعْصِيْنِيْ۔

یعنی اے داؤد (علیہ السلام) عنقریب تمہارے بعد وہ تشریف لانے والے ہیں جن کا نام احمد اور محمد ہے۔ وہ خدا کے سچے نبی ہیں۔ میں ان پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ اور نہ وہ کبھی میری نافرمانی کریں گے۔

وَاِنِّيْ فَضَّلْتُ مُحَمَّداً وَّاُمَّتَهٗ عَلَى الْاُمَمِ كُلِّهِمْ (بیہقی)

اور میں نے ان کو اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

حضرت سلیمان کا فرمان:۔ حضرات! اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلا٘ ایک روز اپنے تخت پر رونق افروز ہو کر ہوا کے دوش پر سفر فرما رہے تھے کہ ناگہاں آپ کا گز مدینہ منورہ کی فضا پر ہوا تو آپ نے فرمایا:

هٰذِهٖ دَارُهِجْرَةِ نَبِيِّ اٰخِرِ الزَّمَانِ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ وَاتَّبَعَهٗ (نصرۃ الواعظین)

یعنی یہ شہر نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ خوشا نصیب اس شخص کا جو ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کرے۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! سچ ہے

وہ جس کی شان میں داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہ سلیماں نے گدائی کی

حضرت موسیٰ کا نعرہ:۔ حضرات! اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات میں یہ وحی اتری جس کو خدا کے کلیم نے عمر بھر اپنے پر جلال لہجہ میں اپنی امت کو سنایا کہ ....

يَا مُوْسٰى مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاَحْمَدَ مِنْ جَمِيْعِ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَمْ يُصَدِّقْ كَانَتْ حَسَنَاتُهٗ مَرْدُوْدَةً عَلَيْهِ وَمَنَعْتُهٗ حِفْظَ الْحِكْمَةِ وَلَا اُدْخِلُ فِيْ قَلْبِهٖ نُوْرَ الْهُدٰى وَاَمْحُوْا اِسْمَهٗ مِنَ النُّبُوَّةِ" (مطالع المسرات)

یعنی اے موسیٰ! تمام رسولوں میں سے جو بھی احمد پر ایمان نہیں لائے گا تو میں اس کی تمام نیکیوں کو مردود کر دوں گا اور اس کو نہ حکمت کے حفظ

کی توفیق دوں گا اور نہ اس کے قلب میں ہدایت کا نور داخل کروں گا بلکہ
نبوت کے دفتر سے اس کا نام مٹا دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی بشارت:۔ حضرات! یوں ہی حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن کی علی الاعلان شہادت موجود ہے کہ:

مُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ ط

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام یہ خوشخبری سناتے ہوئے تشریف لائے کہ
میرے بعد ایک عظمت والے رسول تشریف لانے والے ہیں جن کا نام
نام واسم گرامی "احمد" ہوگا۔

سبحان اللہ!

جس کی ہراول فوج سلیمان، جس کے منادی موسیٰ عمران
جس کے مبشر عیسیٰ ابن مریم ﷺ

بنی اسرائیل کی فریاد:۔ حضرات! انبیائے بنی اسرائیل میں ایک حضرت مسیح علیہ السلام ہی نہیں بلکہ اولاد یعقوب علیہ السلام میں مبعوث ہونے والے ہر ہر نبی نے حضور خاتم النبیین ﷺ کی مدح و ثناء کا خطبہ پڑھتے ہوئے ان کی بعثت کی خوشخبری سنائی اور اپنی اپنی امتوں کے دلوں میں حضور نبی آخر الزمان کی عظمت و محبت کا ایسا سکہ بٹھا دیا کہ یہ لوگ دن رات صبح و شام ان کی جلوہ گری کا انتہائی بے قراری کے ساتھ انتظار کرتے رہے اور غائبانہ ان کی جناب تقدس مآب میں طرح طرح سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

یعنی بنی اسرائیل جب مشرکین سے جہاد فرماتے تھے تو نبی آخر الزمان کا
وسیلہ پیش کر کے بارگاہ خداوندی سے اپنی فتح و نصرت کی دعائیں مانگا
کرتے تھے۔

اور گریہ وزاری کے ساتھ جناب باری کے حضور اس طرح فریاد و استغاثہ پیش کیا کرتے تھے کہ ....

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ تَجِدُ صِفَتَهٗ

فِی التَّوْرٰۃِ۔

یعنی الٰہی! تو اس نبی آخر الزمان کے طفیل میں ہم کو کفار پر فتح و نصرت عطا فرما جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔

برادران ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے اپنی مثنوی میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ چند اشعار آپ بھی سن لیجئے۔

سجدہ می کردند کاے ربّ بشر ۔۔۔ در عیاں آریش اوراز و دتر

یعنی بنی اسرائیل سجدے میں سر رگڑ رگڑ کریوں دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے رب! تو جلد سے جلد تران کو ظاہر فرمادے۔

تابنام احمد آن بستفتحون ۔۔۔ باغیاں شاں می شدندے سرنگوں

یہاں تک کہ وہ لوگ جب احمد ﷺ کا نام لے کر خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگتے تو ان کے دشمن کفار و مشرکین مغلوب و سرنگوں ہو جایا کرتے تھے۔

ہر کجا حرب مہول آمدے ۔۔۔ غوث شاں کرار ی احمد بدے

جہاں بھی اور جب بھی کوئی ہولناک جنگ ہوتی۔ تو حضور احمد ﷺ کا امدادی حملہ بنی اسرائیل کا فریاد رس بن جاتا تھا اور ان کو فتح مبین نصیب ہو جاتی تھی!

نام محمد ﷺ کا بوسہ:۔ حضرات! اسی طرح عیسائیوں کا ایک گروہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے اس قدر والہانہ حسن اعتقاد رکھتا تھا کہ یہ لوگ انجیل میں حضور اقدس ﷺ کے نام نامی کو فرط عقیدت سے چوم لیا کرتے تھے اور ان کے اس عمل کی یہ برکت تھی کہ وہ ہر قسم کی ذلت و خواری اور افلاس و بیماری وغیرہ کی بلاؤں سے محفوظ رہتے تھے۔ اس واقعہ کو بھی مولانائے مثنوی نے بڑی دلکشی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

بود در انجیل نام مصطفٰے ۔۔۔ آن سر پیغمبراں، بحر صفا

یعنی انجیل میں تمام پیغمبروں کے سرور، اور صدق و صفا کے سمندر، پیارے مصطفٰے ﷺ کا نام اطہر تحریر تھا۔

طائفہ نصرانیاں بہر ثواب
چوں رسیدندے بآں نام و خطاب

بوسہ دادندے بآں نام شریف

رونہادندے برآن وصف لطیف

یعنی نصرانیوں کی ایک جماعت جب اس نام و خطاب تک پہنچتی تھی تو ثواب سمجھ کر اس نام شریف کو چومتے تھے اور آپ کے اوصاف پر تعظیماً اپنا چہرہ رکھ دیا کرتے تھے۔

ایمن از شر امیران و وزیر در پناہ نام احمد مستجیر

یعنی یہ لوگ اپنے اس عمل کی برکت سے بادشاہوں اور وزیروں کے شر و فساد سے بے خوف اور نام احمد ﷺ کی پناہ میں رہتے تھے۔

نسل ایشاں نیز ہم بسیار رشد

نور احمد ناصر آمد، یا رشد

ان لوگوں کی نسل بھی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ کیوں نہ ہو؟ کہ احمد ﷺ کا نور ان کا ناصر و مددگار بن گیا!

اللہ اکبر! کہاں ہیں وہ گستاخ و بے ادب لوگ جو اذان و اقامت حضور ﷺ کا نام سن کر تعظیم و ادب سے انگوٹھا چومنے والوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ وہ آنکھ کھول کر دیکھ لیں کہ نام محمد کے چومنے والوں کو کیسی کیسی برکتیں ملا کرتی ہیں۔ چنانچہ اذان میں نام محمد ﷺ سن کر انگوٹھا چومنے والوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ وہ کبھی اندھے نہیں ہوں گے۔

مگر مسلمانو! یہ سب دیکھنا دکھانا ماننے والوں کے لئے ہے۔ نہ ماننے والوں کے لئے تو ہزاروں دفتر اور دلائل و شواہد کے سینکڑوں آفتاب و ماہتاب بھی بے کار ہی ہیں۔ نہ ماننے والوں کا تو بجز انکار اور عیب جوئی کے کوئی کام ہی نہیں رہتا۔ غالباً آپ لوگوں نے ایک ہٹ دھرم عورت کا قصہ تو سنا ہی ہوگا!

لطیفہ:۔ سنا ہے کہ ایک بہت ہی با کرامت ولی تھے۔ جن کی ولایت و کرامت کی دھوم مچی ہوئی تھی مگر ان کی بیوی صاحبہ کو ان سے کچھ ایسی چڑ ہو گئی تھی کہ وہ ہمیشہ ان کی عیب جوئی میں مصروف رہا کرتی تھی۔ اور کسی طرح ان کی ولایت و کرامت کی قائل ہی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن با کرامت ولی کو جو جلال آیا تو وہ ہوا پر اڑنے لگے اور اپنے مکان کے اوپر فضا میں کئی چکر لگا کر زمین پر اتر پڑے۔ ان کی بیوی نے جو ایک انسان کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کو بے حد

تعجب ہوااوراس کے دل میں اولیاءاللہ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باکرامت ولی جو مکان میں آئے اور اپنے مصلّٰی پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھنے لگے تو بیوی نے تڑپ کر کہا۔ کہ تم کیا بیٹھے تسبیح پھیر رہے ہو اور وظیفہ گھونٹے جا رہے ہو؟ کیا دھرا ہے تمہاری تسبیح اور وظیفے میں۔ میں نے آج ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ ایک تم ہو کہ کسی کام کے نہیں۔ باکرامت ولی نے فرمایا کہ کیا تم نے ان بزرگ کو ہوا میں اڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ بیوی نے چلا کر کہا کہ ہاں ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ بے تکلف ہوا میں اڑتے ہوئے میرے مکان کے ارد گرد چکر لگا رہے تھے۔ باکرامت ولی نے فرمایا کہ ارے اللہ کی بندی! وہ میں ہی تو تھا۔ تم نے میرا عمامہ اور جبہ دیکھ کر بھی مجھے نہیں پہچانا۔ میں نے تو اڑتے ہوئے تمہیں دکھا دکھا کر مکان کے گرد کئی چکر لگائے تھے تاکہ تم میری یہ کرامت دیکھ کر میری بدگوئی سے باز آجاؤ۔ بیوی نے یہ سن کر کہا کہ اچھا، اچھا وہ تم ہی تھے؟ ٹھیک ہے میں سمجھ گئی۔ وہ تم ہی تھے۔ اسی لئے ذرا ٹیڑھے اڑ رہے تھے!

مسلمانو! دیکھ لیا آپ نے، ہٹ دھرم بیوی نے باکرامت ولی کو ہوا میں اڑتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا مگر انکار کا کیڑا اس کے دماغ سے نہیں نکلا۔ اور وہ نکتہ چینی اور عیب جوئی سے باز نہیں آئی۔ بالکل ٹھیک یہی حال منکرین کا ہے کہ ہزاروں دلائل کے دفتر ان کے سامنے رکھ دو۔ مگر وہ ہٹ دھرمی اور انکار سے باز آنے والے نہیں!

بہرکیف مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ حضرات انبیاء کرام نے روز ازل کے جلسہ سیرت میں جس عہد کا حلف اٹھایا تھا۔ انہوں نے پوری طرح اپنے عہد کو پورا کیا اور ان کی امتوں نے بھی حضور نبی آخر الزمان کی آمد سے پہلے اپنے انبیاء کی بشارتوں کو اپنے دلوں کی گہرائیوں میں جگہ دی۔ یہ اور بات ہے کہ نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کے بعد متاع دنیا کی حرص و ہوس نے بہت سے یہودیوں اور نصرانیوں کو نبی آخر الزمان پر ایمان لانے سے روک دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں جہان کی ذلت و خواری میں گرفتار ہوئے اور خداوند قہار و جبار کی لعنتوں کے سزاوار، اور عذاب نار کے حق دار ہو گئے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ج فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ز فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ط (البقرہ)

یہی یہود و نصاریٰ حضور نبی آخر الزمان کی تشریف آوری سے پہلے ان
کے نام پاک کا وسیلہ پکڑ کر خدا سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے
لیکن جب ان کا جانا پہچانا ہوا رسول ان کے پاس آیا تو انہوں نے ان کے
ساتھ کفر کیا یہ کفار خدا کی لعنت میں گرفتار اور اس کی قہر و غضب کی مار
اور پھٹکار سے دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

برادران ملت! میں نے آپ کا بہت کافی وقت لے لیا۔ مگر مجھے امید ہے کہ میرے ان کلمات سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے ایمانی قلوب میں عظمت مصطفیٰ ﷺ کے بہت سے چراغ روشن ہو گئے ہوں گے اور محبت حبیب کے انوار سے آپ کے دل و دماغ کا ہر گوشہ منور ہو گیا ہو گا اور یہ وہ عظیم مقصد ہے جو ایک مومن کے ایمان کا سب سے بڑا نصب العین ہے۔ کیونکہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ ہر صاحب ایمان مسلمان کا یہی عقیدہ ہے۔

کافر ہے وہ بدبخت، جو اس دل کو کہے دل
جس دل میں نہ ہو الفت سرکار مدینہ

وصل اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و اٰلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

تینتیسواں وعظ

حضرت عیسیٰ قرآن کے آئینے میں

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفٰے اولی است
کہ ایں بزیر زمین است و آں بروازِ سما است
بگفتش کہ نہ ایں قول معتبر باشد
حباب برسرِ آب و گہر تہِ دریا است

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔ (اٰل عمران)

صبا! تحیہ شوقم بہ آں جناب رساں ۔ سلام ذرہ بہ دربار آفتاب رساں
بر آں مقام کہ آرامگاہ حضرت اوست ۔ زمیں بوس و سلام من خراب رساں

حضرات گرامی! ایک مرتبہ باآواز بلند درود شریف کا مبارک ورد فرمائیے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَبَدًا اَبَدًا۔

برادرانِ ملت! سورۂ آل عمران کی یہ آیات بینات قرآن کی وہ تاریخی آیات ہیں جو "آیات مباہلہ" کہلاتی ہیں۔ ان آیتوں میں حضرت حق تعالیٰ جل مجدہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس واقعی حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے جس پر یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان نے برسوں سے کذب و بہتان کا ایسا دبیز پردہ ڈال رکھا تھا کہ کروڑوں انسان اس حقیقت واقعہ سے ناواقف ہونے کی بناء پر جہالت اور گمراہی کے بیانوں میں بھٹک رہے تھے اور انہیں "صراط مستقیم" کی شاہراہ نہیں مل رہی تھی۔ حضرات! یہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ کو رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور جس طرح دونوں جہان کی کائنات عالم کو آپ کی رحمت کے خزانوں سے حصہ ملا۔ اسی طرح حضرات انبیائے سابقین پر بھی آپ کے باران رحمت کی ایسی بارش ہوئی کہ ان کے وقار و عظمت کے گلشن میں باغ بہشت کی بہاروں سے بھی بڑھ کر بہار آگئی۔ رحمت عالم تشریف لائے تو تمام نبیوں اور رسولوں کی عظمت شان کا پرچم بلند سے بلند تر ہو گیا۔ اور انبیائے کرام

کے آفتاب عظمت کو چھپانے کے لئے یہود و نصاریٰ نے جو کذب و افتراء کی دیواریں کھڑی کر رکھی تھیں۔ رحمت عالم کے اعلان حق کی آندھیوں سے پاش پاش ہو کر گرد و غبار کی طرح اڑ گئیں اور عظمت انبیاء کا دامن تقدسِ آفتابِ عالم تاب کی طرح صاف و شفاف نظر آنے لگا۔

برادران ملت! رحمت عالم کے ظہور سے پہلے یہودیوں نے یہ پروپیگنڈہ پھیلا رکھا تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام معاذ اللہ یہودی تھے۔ عیسائی چلا چلا کر کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نصرانی تھے۔ مشرکین مکہ کا یہ دعویٰ تھا کہ کعبہ کے بانی حضرت خلیل اللہ معاذ اللہ مشرک تھے۔ اسی طرح یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے اور حضرت داؤد اور حضرت لوط علیہما السلام پر انتہائی رکیک بہتان لگاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ یہودی ان کی مقدس ذات پر بہتانوں اور تہمتوں کے کیچڑ اچھالتے تھے اور عیسائی ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ غرض ان پروپیگنڈوں کے شور و غوغا میں حقیقت کی آواز اس طرح گم ہو کر رہ گئی تھی کہ تمام دنیا ان مقدس پیغمبروں کی حقیقی پوزیشن اور ان کے مراتب و درجات کی واقعی عظمت سے جاہل و غافل بن چکی تھی۔ مگر خدا کی قسم! رحمت عالم یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے اس دنیا میں تشریف لا کر ان تمام نبیوں کی عصمت، ان کی برأت، ان کی طہارت، ان کی صداقت، ان کی عظمت کی کھلم کھلا شہادت دی۔ اور ان کی حقیقی پوزیشن کے نشان کو بلند فرما کر قرآن کی زبان سے سارے عالم کو یہ اعلان سنایا کہ کُلٌّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (انعام) یعنی یہ سب انبیاء صالحین میں سے ہیں۔ رحمت عالم نے سب نبیوں کے اوصاف کا بیان، اور سب کی عظمت شان کا پتہ اور نشان بتایا اور ان کے وقار و عظمت کے پرچم کو اتنا سربلند فرمادیا کہ آسمانوں کی سربلندیاں ان کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارفع و اعلیٰ مقام کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے رحمت عالم نے قرآن کی زبان سے خدا کا یہ فرمان سارے جہان کو سنایا کہ:

مَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ (ال عمران)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ بلکہ وہ تو ایک حق پرست مسلم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر کا کام جادو کبھی نہیں کیا۔ بلکہ شیطانوں نے کفر کیا۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی عصمت اور برأت و صداقت کا اعلان فرماتے ہوئے خدا کا فرمان سنایا کہ:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۔ وَزَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ط (انعام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف، و موسیٰ و ہارون ہیں اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریا، و یحییٰ، و عیسیٰ و الیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں۔

اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَ لُوْطًا ط كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔

(انعام)

یعنی اسمٰعیل و الیسع اور یونس و لوط علیہم السلام ہر ایک کو ہم نے اس وقت میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

الغرض تمام انبیاء و مرسلین کی عصمت و عظمت اور ان کی صداقت و نبوت سے سارے عالم کو روشناس اور آگاہ کر دیا۔ یہ انبیاء سابقین پر رحمتہ للعالمین ﷺ کا وہ احسان عظیم ہے کہ قیامت تک تمام نبیوں اور رسولوں کی زبانوں پر اگر یہ نعت کا شعر جاری رہے۔ پھر بھی رحمت عالم کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ:

سزد کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج
چرا کہ بر سر خوبان عالمی چوں تاج

برادران ملت! جب رحمت عالم ﷺ نے تمام نبیوں اور رسولوں کی صحیح صحیح پوزیشن کا

اعلان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ خدا کے مقدس بندے اور رسول برحق ہیں اور وہ بغیر باپ کے کنواری مریم کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے ہیں تو نبی آخرالزمان کا یہ اعلان قرآن جیسے ہی یہود و نصاریٰ کے کان میں پہنچا تو ان کے احبار و رہبان میں غیظ و غضب کے ہیجان کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور وہ اپنے کذب و بہتان کا پردہ چاک ہوتے دیکھ کر اس قدر حیران و پریشان ہو گئے کہ اپنے طیش و غصہ کے جنون میں سرکش اونٹوں اور جنگلی گدھوں کی طرح اپنی جہالت کے میدان میں بدکنے لگے اور اس آفتاب حقیقت کو چھپانے کے لئے اپنی طاغوتی طاقتوں کے بل پر قسم قسم کے پلان بنانے لگے اور تکذیب و انکار کے شور و غوغا سے اس آواز حق کو دبانے لگے اور طرح طرح کے ہتھکنڈوں اور پروپیگنڈوں سے اس اعلان حق کو بے اثر بنانے کے لئے مکر و فریب کا جال بچھانے لگے۔ یہاں تک کہ نصرانیوں کے پوپ اور پادریوں نے اپنے عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے نبی برحق کو اس مسئلہ پر مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔

شانِ نزول:۔ چنانچہ خطبہ کے بعد میں نے جن آیتوں کو تلاوت کیا ہے ان کے نازل ہونے کا سبب یہی ہے کہ شہر نجران کے نصرانی پادریوں کا ایک جتھا جن کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ سب کے سب مناظرہ کرنے کے لئے مدینے آ گئے۔ ان کا سب سے بڑا عالم "عبدالمسیح" جس کا لقب "عاقب" تھا، اس جتھے کا سرغنہ تھا۔ یہ لوگ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے رحمت عالم ﷺ کے دربار میں پہنچے۔ اور یہ سوال کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ رحمت عالم ﷺ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ، اللہ تعالیٰ کے بندے، اور اس کے مقدس رسول ہیں جو کنواری مریم سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے بحکم خداوندی بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ سن کر نجران کے نصرانی آگ بگولہ ہو گئے اور غصے میں تڑپ کر بولے کہ اے محمد! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان بغیر باپ کے پیدا ہو جائے؟ یہ تو بالکل ہی ناممکن اور محال بات ہے کہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو جائے!

حضرات! ٹھیک اسی حالت میں جبکہ یہ نصاریٰ بحث و تکرار اور عناد و انکار کے جوش میں بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

رب العزت جل جلالہٗ نے ان ظالموں کی دہن دوزی فرمانے اور ان کو لاجواب کرنے کے لئے ان مقدس آیتوں کو نازل فرمایا۔

حضرات! اب آپ ان آیتوں کی تلاوت اور ان کا ترجمہ سنئے اور غور فرمایئے کہ کس طرح حق جل جلالہ نے اپنے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا منہ بند کر دیا اور ان کو ایسا دندان شکن جواب دیا کہ ان کی بولتی بند ہو گئی اور وہ دم دبا کر مدینے سے بھاگ نکلے! خداوند عالم نے ارشاد فرمایا......

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

یعنی حضرت عیسٰی کی مثال اللہ کے نزدیک حضرت آدم کی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے بنایا۔ پھر فرمادیا کہ "تو ہو جا" تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

حضرات! اس کا مطلب یہ ہے کہ اے نصرانیو! تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بغیر باپ کے کیونکر اور کس طرح پیدا ہو گئے؟ تو اس سے بڑھ کر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے۔ خدا نے ان کو مٹی سے پیدا فرما دیا اور تم لوگ اس پر ایمان رکھتے ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہوئے تو پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہو جانے پر تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ اور کیوں اس کا انکار کر رہے ہو؟ حضرت عیسٰی علیہ السلام بغیر باپ کے اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہو گئے۔ بیشک یہ ایک عجیب اور نادر بات ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے تو نہ ماں ہیں۔نہ باپ۔ یہ بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہو گئے۔ ان کی پیدائش تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش سے بدرجہا عجیب اور نادر سے نادر تر ہے۔ پھر اے نصاریٰ! جب تم حضرت آدم علیہ السلام کی بغیر ماں باپ کے پیدائش پر اعتقاد و ایمان رکھتے ہو تو پھر تمہیں کیا حق ہے کہ تم حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بغیر باپ کے تنہا ماں سے پیدا ہونے پر اعتراض و انکار کرو؟ جو خدا حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا کر دینے پر قادر ہے۔ وہ یقیناً یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادے۔

بہر کیف اب اگلی آیت کا ترجمہ سنئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ

اے سننے والے! یہ تیرے رب کی طرف سے ایک حق بات ہے تو تم اس میں کوئی شک مت کرو۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ؀

پھر اے محبوب! جو تم سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں جھگڑا کریں۔ اس کے بعد کہ تمہارے پاس اس کا علم آ چکا تو تم ان لوگوں سے فرما دو کہ آؤ۔ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم لوگ مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

حضرات! جب رسول کریم ﷺ نجران کے نصرانیوں کو یہ آیتیں پڑھ کر سنا چکے اور ان لوگوں کو مباہلہ کرنے کی دعوت دے دی کہ چلو میدان میں نکل کر اس طرح مباہلہ کریں کہ ہم دونوں فریق گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگیں کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت برسے اور اس پر خدا کی مار اور پھٹکار پڑ جائے اور وہ ہلاک و برباد ہو جائے۔ تو نجران کے نصاریٰ حیران اور دم بخود ہو کر رحمت عالم ﷺ کا منہ تکنے لگے۔ اور فرط حیرت اور کمال دہشت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بالآخر یہ سب کے سب حیرانی و پریشانی کے عالم میں اپنے گرو گھنٹال عبدالمسیح سے مشورہ کرنے لگے کہ آخر ہم محمد ﷺ کے اس چیلنج مباہلہ کا کیا جواب دیں؟ اور مباہلہ کے بارے میں میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرات! عبدالمسیح جس کا لقب "عاقب" تھا۔ یہ انجیل کا اپنے دور میں سب سے بڑا عالم، اور پرانا گھسا گھسایا ہوا بہت ہی خرانٹ پادری تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اے جماعت نصاریٰ! اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ خوب اچھی طرح جان چکے، پہچان چکے کہ "محمد" بلاشبہ اور یقیناً نبی آخر الزمان، اور خاتم پیغمبران ہیں۔ اس لئے اب اس کے بعد اگر تم لوگوں نے ان سے مباہلہ کیا تو یقیناً تم اور تمہارے اہل و عیال ہلاک، بلکہ تمہاری جائیداد اور سارا مال قہر خداوندی سے

پامال ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر تم لوگ زندہ سلامت رہ کر نصرانیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو خیریت اسی میں ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اور چپکے سے یہاں سے بھاگ نکلو!

چنانچہ یہ سب کے سب مشورہ کر کے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی مقدس گود میں حضرت امام حسین کو اٹھائے ہوئے ہیں اور حضرت امام حسن کو انگلی تھامے ہوئے ہیں اور حضرت علی و حضرت بی بی فاطمہ حضور انور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ "آمین آمین" کہتے رہنا۔ عبدالمسیح اور اس کے ساتھیوں نے جو یہ منظر دیکھا تو مارے خوف و دہشت کے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور عبدالمسیح لرزہ براندام ہو کر کہنے لگا کہ اے نصرانیو! خدا کی قسم میں ایسے مقدس اور نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کی دعا مانگیں تو ان کی دعا سے خداوند تعالیٰ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا۔ لہٰذا خبردار خبردار کبھی ہرگز ہرگز بھی تم لوگ مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ اور تمام روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہیں رہے گا۔ عبدالمسیح کی یہ لرزہ خیز تقریر سن کر تمام عیسائی خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔ ہوش اڑ گئے۔ اور سب کے سب خوف و ہراس کا ایک خاموش اور اداس مجسمہ بن کر رہ گئے اور لرزتی ہوئی زبانوں سے یک زبان ہو کر سب یہ عرض کرنے لگے کہ اے محمد ﷺ! ہم آپ سے مباہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ہم سے کچھ جزیہ لے کر صلح کر لیجئے۔ چنانچہ خوشی خوشی ان نصرانیوں نے جزیہ دینا قبول و منظور کر لیا۔ مگر مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے اور دم دبا کر مدینہ سے فرار ہو گئے۔

حضرات! نصرانیوں کا یہ حال دیکھ کر رحمت عالم ﷺ نے کیا فرمایا؟ ذرا یہ بھی سن لیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نجران والوں کے سروں پر قہر خداوندی کا عذاب بالکل ہی قریب آن پہنچا تھا۔ اگر وہ مجھ سے مباہلہ کرتے تو دم زدن میں ایک دم سب کے سب بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے اور خدا کے قہر و غضب کی آگ سے سارا جنگل بھڑک اٹھتا۔ اور تمام اہل

نجران بلکہ اس سرزمین کے چرند وپرند تک سب جل بھن کر راکھ کا ڈھیر بن جاتے اور ایک سال کے عرصے میں تمام روئے زمین کے عیسائی ہلاک وبرباد ہوکر ہمیشہ کے لئے نیست ونابود ہوجاتے۔"

(روح البیان وصاوی وغیرہ)

حق و باطل کا آخری فیصلہ:۔ برادران ملت! اہل نجران کا مباہلہ سے انکار و فرار اس حقیقت کا کھلا ہوا اقرار ہے کہ احمد مختار ﷺ یقیناً صداقت شعار، نبی برحق اور برگزیدۂ پروردگار ہیں اور قیامت تک کے لئے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہوگیا کہ حضرت عیسٰی ہرگز ہرگز خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے بندے اور خدا کے رسول اور خدا کے حکم سے کنواری مقدس مریم سلام اللہ علیہا کی گود میں بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اس طرح خالق کائنات نے اپنی ایک عظیم قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ظاہر فرمادی۔ جیسا کہ خود حضرت حق تعالیٰ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا (مریم) یعنی ہم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا تاکہ ان کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان، اور اپنی رحمت کا ایک انوکھا سامان بنادیں۔

حضرات! یہ دنیا کا ایک مسلم الثبوت اصول ہے کہ جب کسی شخص کو اس کے زمانے والے پوری تلاش و جستجو اور مکمل چھان بین کے بعد صادق اور سچا تسلیم کریں تو پھر اس کے بعد کسی دور میں بھی اس شخص کی صداقت اور سچائی کے بارے میں بحث و تمحیص کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی ہے لہٰذا اس کے اصول کے مطابق جب نجران کے وہ نصاریٰ جن کی علمی قابلیت اور معلومات کی وسعت پر تمام عیسائی دنیا کا اتفاق ہے۔ سب نے دعوت مباہلہ قبول کرنے سے انکار کرکے نبی آخر الزمان کی صداقت کا اعتراف واقرار کرلیا تو اب قیامت تک کسی عیسائی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس مسئلہ پر بحث و مناظرہ کرے۔ بلکہ اگر اس میں سچائی کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوگا تو وہ بھی نجران کے نصاریٰ کی طرح نبی آخر الزمان کی صداقت کو تسلیم کرلے گا، کیونکہ آیت مباہلہ کے بعد نصرانیوں کا مباہلہ سے انکار و فرار اور جزیہ کا بار اٹھالینا یہ حق و باطل کا آخری فیصلہ ہے جو بالکل قطعی اور یقینی ہے!

حضرات گرامی! اسلام کا یہی وہ مقدس عقیدہ ہے جس کو قرآن نے بار بار علی الاعلان بیان

فرمایا۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی مسلسل تین آیتوں میں حضرت حق تعالیٰ جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط

یعنی بیشک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے۔

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ہ

حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے نبی اسرائیل تم اللہ کی بندگی کرو۔ جو میرا اور تمہارا رب ہے بیشک جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

یقیناً کافر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں (اللہ، عیسیٰ، مریم) میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔

وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ہ

اور اگر یہ نصاریٰ اپنے عقیدہ سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں سے کفر کی حالت میں مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہ

تو یہ لوگ کیوں نہیں خدا کے دربار میں توبہ کرکے اس سے مغفرت مانگتے اور اللہ بڑا بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (مائدہ)"

مسیح بن مریم ایک رسول ہی ہیں ان سے پہلے بہت رسول ہو گزرے۔

اور ان کی ماں صدیقہ ہیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو تو ہم کیسی
صاف صاف نشانیاں ان لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں؟ پھر دیکھو وہ
کیسے اوندھے ہو جاتے ہیں؟

حضرات گرامی! میں سورۃ مائدہ کی ان تینوں آیتوں کا نہایت ہی واضح ترجمہ آپ کو سنا چکا۔ اب غور فرمایئے کہ ان مقدس آیات میں خالق کائنات نے عیسائیت کے تمام فرقوں کا کتنی واضح عبارتوں میں کتنا بلیغ رد فرمادیا ہے۔ سب سے پہلی آیت یعنی لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ سے خداوند قدوس نے نصاریٰ کے "فرقہ یعقوبیہ" کا رد فرمایا۔ جو یہ فاسد عقیدہ رکھتے تھے کہ (معاذ اللہ) "خدا" حضرت عیسیٰ کی ذات میں حلول کر گیا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ ہی خدا ہیں۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ سے نصاریٰ کے "فرقہ مرقومیہ" اور "فرقہ نسطوریہ" کے عقیدۂ باطلہ کو بھی کلمۃ الحق کی بمباریوں سے نیست و نابود کر دیا جو اس عقیدہ پر جمے ہوئے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ، عیسیٰ، مریم تینوں خدا ہیں۔ قرآن مجید نے ان فرقوں کے کافر ہونے کا اعلان فرمادیا۔ پھر وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وعظ نقل کر کے اس مسئلہ پر تصدیق مسیح کی مہر لگا دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وعظ نقل کر کے اس مسئلہ پر تصدیق مسیح کی مہر لگا دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بھی خدا کی عبادت کرتے تھے اور بنی اسرائیل کو بھی خدا ہی کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ پھر مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج فرما کو کتنی وضاحت اور صفائی کے ساتھ بیان فرمادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام گزشتہ رسولوں کی طرح ایک رسول ہی ہیں۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں بلکہ وہ حضرت مریم کے بیٹے ہیں۔ پھر كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ سے سورج سے زیادہ روشن، اور پہاڑ سے زیادہ بڑی دلیل پیش کر دی کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ تو وہ بھلا خدا یا خدا کے بیٹے کیونکر ہو سکتے تھے؟ کیونکہ خدا کی ذات تو کھانے پینے سے پاک ہے۔ پھر اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ فرما کر یہودیوں کے اس بہتان عظیم کا تار و پود بکھیر کر اس طرح حضرت مریم کی پاکدامنی کا چراغ روشن کر دیا کہ تمام امت مسلمہ کا منہ اجالا اور ملعون یہودیوں کا منہ کالا ہو گیا۔ پھر اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ سے تنبیہ فرمادی کہ اے انسانو! دیکھ لو کہ ہم حضرت عیسیٰ کے خدا کا بندہ اور خدا کا رسول ہونے پر کیسی کیسی دلیلیں اور واضح نشانیاں بیان

کرتے ہیں کہ ان نشانیوں کو دیکھنے والے، اور ان دلائل کو سننے والے کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ سکے۔ مگر اس کا کیا علاج؟ کہ نصاریٰ اس قدر چشم بصیرت کے اندھے اور عقل کے اوندھے ہیں کہ وہ ان نشانیوں اور واضح دلیلوں سے کوئی سبق ہی نہیں لیتے اور کوئی عبرت و نصیحت حاصل ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے باپ داداؤں کی اندھی تقلید کے چکر میں بالکل ہی گھن چکر بن چکے ہیں اور گمراہی کے اتنے گہرے اور اندھیرے غار میں گر پڑے ہیں کہ ان کو ہدایت کا آفتاب نظر ہی نہیں آتا۔

حضرات محترم! سورۂ مائدہ کی صرف انہی آیات میں نہیں بلکہ قرآن مجید کی بہت سی آیات مبارکہ میں حضرت حق جل جلالہٗ نے نصاریٰ کے عقائد باطلہ کا شدید رد فرماتے ہوئے ان لوگوں پر سخت زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ج اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ط

یعنی یہودیوں نے یہ کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں۔ اگلے کافروں کی سب بات بناتے ہیں۔ اللہ ان کو مارے یہ کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں پر وعید شدید فرماتے ہوئے سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا کہ:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا لا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۚ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ط وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ط

یعنی کافروں نے یہ کہا کہ رحمٰن نے کچھ لوگوں کو اولاد بنا لیا ہے۔ اے کافرو! تم بہت ہی بھاری بات لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں۔ اور زمین شق ہو جائے۔ اور پہاڑ ڈھ کر گر جائیں اس بات پر کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لئے اولاد بتائی۔ حالانکہ یہ رحمٰن کی شان

کے لائق ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔

حضرات گرامی! غور فرمائیے کہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین جن جن لوگوں نے خدا کے لئے بیٹا یا بیٹی ہونا بتایا۔ سب کو قادر مطلق نے کافر قرار دے کر اپنے تازیانہ عذاب کی دہشت سے خوفزدہ فرمایا اور بڑے بڑے دلائل و براہین سے ثابت فرمادیا کہ خدا نے کسی کو بھی اپنا بیٹا یا بیٹی نہیں بتایا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے یعنی نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

حضرات! بہر حال اب ذرا نجران سے آنے والے عیسائیوں کے سامنے قرآن کے طرز استدلال پر غور فرمائیے کہ کتنا واضح اور کس قدر دلکش انداز بیان ہے کہ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔

دوستو اور بزرگو! دیکھو کسی نادر الوجود اور عجیب چیز کے انکار کرنے والے کو قائل کرنے کی بہترین دلیل یہی ہے کہ اس کے سامنے اس کے مسلمات میں سے اس سے بڑھ کر کوئی نادر الوجود اور عجیب چیز پیش کر دی جائے۔ یہ وہ طریقہ استدلال ہے کہ اس کا جواب ہی ممکن نہیں ہے۔ غور فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہو جانا نصرانیوں نے اس کو نادر الوجود، اور عجیب بلکہ تعجب خیز چیز سمجھ کر اس کا انکار کیا تھا فاطر السمٰوٰت والارض نے ان لوگوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کا واقعہ پیش کر دیا۔ اور فرمایا کہ جب تم لوگ حضرت آدم علیہ السلام کا بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہو جانا تسلیم کرتے ہو اور اس پر ایمان رکھتے ہو؟ تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہو جانا تمہارے نزدیک قابل انکار کیوں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کہیں زیادہ عجیب تر ہے۔ پھر تم لوگوں سے بڑھ کر بیوقوف اور کم عقل کون ہوگا؟ کہ عجیب تر اور زیادہ نادر الوجود چیز پر تو ایمان رکھتے ہو اور اس سے کم درجے کی چیز کا انکار کرتے ہو۔

حضرات! قرآن کی یہ دلیل و برہان ہے کہ نجران کے نصاریٰ حیران رہ گئے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی ایمان نہیں لائے اور اپنی سرکشی اور طغیان کا مظاہرہ کرتے رہے تو پھر حضرت حق جل مجدہٗ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی جس کا انجام آپ سن چکے کہ نصرانیوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ کیونکہ مباہلہ کی زلزلہ افگن ہیبت سے ان کے منکرین کے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ دہل گیا اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اس طرح قیامت تک کے لئے حق کا بول بالا اور باطل پرستوں کا

منہ کالا ہو گیا۔

حضرات! چاہئے تو یہ تھا کہ قیامت تک کوئی نصرانی سر نہ اٹھاتا۔ اور ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کا یہ باطل عقیدہ دفن ہو جاتا مگر افسوس کہ آج تک عیسائی اپنے اس عقیدۂ فاسدہ پر اتنی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کہ معاذاللہ! خدا کو خدا بھی اسی طور پر مانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے۔ اس کے سوا خدا کو اس کی کسی صفت کے ساتھ گویا جانتے پہچانتے ہی نہیں! توبہ نعوذ باللہ۔

حضرات! اس موقع پر مجھے اکبر الٰہ آبادی کا ایک بڑا ہی دلچسپ لطیفہ یاد آ گیا۔ وہ بھی سن لیجئے۔

لطیفہ:۔ اکبر الٰہ آبادی جج تھے۔ ججی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے صاحبزادے عشرت حسین صاحب کے یہاں تشریف لے گئے جو ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کی کوٹھی پر بہت سے رئیس صاحبان ڈپٹی صاحب کی ملاقات کی آس لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ڈپٹی صاحب بنگلہ کے اندر سو رہے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی نے کواڑ کھول کر دیکھا تو نوکر نے رئیسوں سے کہا کہ یہ اکبر الٰہ آبادی ریٹائرڈ جج ہیں۔ رئیسوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر نوکر نے کہا کہ یہ اکبر الٰہ آبادی مشہور طنز گو شاعر ہیں۔ یہ سن کر بھی رئیسوں نے اکبر کی طرف رخ نہیں کیا۔ پھر نوکر نے بتایا کہ ڈپٹی صاحب کے والد ماجد ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ہر رئیس اپنی اپنی کرسی سے اس طرح ہڑ بڑا کر مصافحہ کے لئے دوڑا کہ گویا صور پھونک دیا گیا اور مردے قبروں سے نکل نکل کر میدان محشر کی طرف دوڑ پڑے۔ اکبر الٰہ آبادی نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ مجھے آپ لوگوں کی یہ حرکت دیکھ کر عیسائیوں کا ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ گرجا گھر میں بہت سے عیسائی کھڑے عبادت کر رہے تھے کہ ایک دم پوپ نے کہا کہ اے لوگو! خداوند ذوالجلال نے تجلی فرمائی۔ عیسائیوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر پوپ نے کہا کہ اے لوگو! خداوند ذوالجلال نے تجلی فرمائی۔ عیسائیوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر پوپ نے کہا کہ اے لوگو! آسمان وزمین کے خالق کا جلوہ نظر آ گیا۔ یہ سن کر بھی عیسائی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ پھر پوپ نے کہا کہ اے عیسائیو! دیکھو! حضرت کے باپ آ گئے۔ یہ سن کر سب عیسائی سجدے میں گر پڑے اور روتے روتے ان کی آنکھیں سوج گئیں۔ ذرا غور تو کرو کہ خداوند ذوالجلال اور آسمان وزمین کے خالق کا نام سن کر

تو عیسائیوں پر کوئی رقت طاری نہیں ہوئی۔ اور حضرت عیسٰی کے باپ کا نام سنا تو سجدے میں گر کر رونے لگے۔ یہی حال آپ لوگوں کا ہے کہ اکبر الٰہ آبادی ریٹائرڈ جج سن کر آپ نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر اکبر الٰہ آبادی شاعر کا نام سن کر آپ لوگوں کو میری ملاقات کا ذرہ برابر اشتیاق نہیں پیدا ہوا۔ اور جب آپ لوگوں نے یہ سنا کہ میں ڈپٹی صاحب کا باپ ہوں تو آپ لوگ اس طرف دانت نکال کر اور ہاتھ بڑھا کر میری طرف جھپٹ کر لپکے کو گویا مجھے ہاتھ سے پکڑ کر کاٹ کھائیں گے۔ کیا ڈپٹی صاحب کا باپ ہونا بڑا کمال ہے یا جج یا شاعر ہونا؟ یہ سن کر مارے شرم و خجالت کے رئیسوں کا ایسا منہ بگڑ گیا جیسے ان کے چہروں پر دس بیس جوتے پڑے ہوں!

بہر حال برادران ملت! اب میں ایک آخری بات عرض کر کے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنی تقریر ختم کر دوں گا۔ ایک بار باآواز بلند درود شریف کا نعرہ بلند کیجئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

پنجتن پاک:۔ حضرات! میں عرض کر چکا کہ حضور سرور کائنات ﷺ چیلنج مباہلہ دینے کے بعد جن مبارک ہستیوں کو اپنے ہمراہ لے کر مباہلہ کے لئے میدان میں تشریف لائے۔ وہ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔ اس آیت سے ان تقدس مآب ہستیوں کی عظمت شان اور ان کی مقبولیت و محبوبیت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے مستجاب الدعوات اور مقبول بارگاہ الٰہی ہونے پر محبوب خدا ﷺ کو پورا پورا اعتماد ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو کہ حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہ قدسی صفت اور تقدس مآب نفوس ظاہرہ ہیں کہ ان کے بدن کی بوٹی بوٹی اور ان کے خون کے قطرے قطرے میں رسول کا گوشت اور خون شامل ہے اور فاتح خیبر، علی حیدر، اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب تو وہ مقرب بارگاہ رسالت ہیں کہ ان کے حضور سرور انبیاء ﷺ کا فرمان ہے کہ:

يَا عَلِيُّ لَحْمُكَ لَحْمِيْ وَدَمُكَ دَمِيْ۔

یعنی اے علی! تیرا گوشت میرا گوشت اور خون میرا خون ہے۔

اللہ اکبر! جس ذات اقدس کے گوشت اور خون کو رسول نے اپنا گوشت اور خون فرمادیا کہ ان کے درجات و مراتب کی عظمت کا کیا کہنا؟

حضرات! اپنے تو بہر حال اپنے ہوتے ہی ہیں۔ ماننے والے تو ماننے والے ہوتے ہی ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ یعنی فضیلت کا کمال تو یہ ہے کہ دشمن بھی اس کی فضیلت کی شہادت دے۔ چنانچہ آپ سن چکے کہ جب حضور اقدس ﷺ آسمان اہلبیت کے چاند اور سورج اور دونوں ستاروں کو ساتھ لے کر میدان مباہلہ میں جلوہ گر ہوئے تو عیسائیوں کا پیشوائے اعظم "عبد المسیح" ان نورانی چہروں کی نورانیت کا جلوہ دیکھ کر بے اختیار بول اٹھا کہ خدا کی قسم! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے کسی پہاڑ کے بارے میں یہ دعا مانگیں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے تو ان کے لبہائے مبارک سے نکلی ہوئی دعاؤں کو خداوند کریم کبھی رد نہیں فرمائے گا۔ بلکہ ان کی دعاؤں سے قادر مطلق اس پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے گا۔

ایک وجد آفرین نکتہ:۔ حضرات گرامی! حضور رحمت عالم ﷺ کے مقدس خاندان بنی عبد المطلب میں بہت سے روشن ستارے تھے مگر خصوصیت کے ساتھ مباہلہ کے وقت رحمت عالم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین ہی کو کیوں منتخب فرمایا؟ اس میں ایک بڑا ہی وجد آفرین نکتہ اور کیف آور راز بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور حضرت فاطمہ کو حضرت مریم سے ایک بڑی ہی خاص مناسبت و مشابہت ہے۔ اسی طرح حضرات حسنین کریمین کو بھی عیسیٰ ابن مریم سے ایک خاص قسم کی مناسبت حاصل ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مباہلہ کے لئے ان چاروں سے بہتر دوسرا کوئی تھا ہی نہیں جس کو رحمت عالم اپنے ساتھ لے کر مباہلہ کے میدان میں نکلتے۔ حضرت علی شیر خدا کو جناب مسیح علیہ السلام سے کیا خاص مناسبت و مشابہت ہے؟ اس کو خود رحمت عالم ﷺ کی زبان مبارک سے سنئے!

حضرت شیر خدا کو مخاطب فرماتے ہوئے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرمایا کہ:

فِيْكَ مَثَلٌ مِّنْ عِيْسٰى اَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهٗ ثُمَّ قَالَ يَهْلِكُ فِيَّ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُفْرِطُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَانِيْ عَلٰى اَنْ يُّبْهِتَنِيْ۔ (مشکوٰۃ باب مناقب علی)

یعنی اے علی! تم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص قسم کی

مماثلت اور مشابہت ہے اور وہ یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسا بغض رکھا اور اتنی دشمنی کی کہ ان کی والدہ پر بہتان تک لگادیا اور نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس قدر محبت کی کہ ان کو اس درجے تک بڑھادیا کہ وہ اس درجے کے ہو ہی نہیں سکتے تھے یعنی ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بنادیا۔

اس حدیث کو حضرت مولائے کائنات جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمانے کے بعد پھر خود یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہو جائیں گے۔ایک وہ جو محبت میں مجھے اس حد تک بڑھائیں گے جس حد تک میں نہیں پہنچا ہوں اور ایک وہ جن کو میری دشمنی اس بات پر آمادہ کردے گی کہ وہ مجھ پر تہمت لگائیں گے۔

چنانچہ مولائے کائنات کا ارشاد حرف بہ حرف پورا ہو گیا کہ رافضیوں نے حضرت علی کی محبت میں اس قدر غلو کیا کہ معاذ اللہ ان کو نبیوں سے افضل ماننے لگے اور خارجیوں نے حضرت علی سے ایسی دشمنی کی کہ معاذ اللہ ان پر طرح طرح کی جھوٹی تہمتیں لگانے لگے (معاذ اللہ)۔

حضرات! اسی طرح حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت بی بی مریم سلام اللہ علیہا سے ایک بڑی خاص مشابہت یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت بی بی فاطمہ ایک بوٹی گوشت اور دو روٹیاں لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں تو رحمت عالم نے اس تحفہ کو قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے لخت جگر! تم اس طباق کو اپنے گھر ہی میں لے کر چلو۔ پھر خود حضور اکرم ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ کے مکان پر رونق افروز ہو کر فرمایا کہ بیٹی! اب تم اس طباق کو کھولو۔ چنانچہ حضرت بی بی فاطمہ نے طباق کو کھولا تو سب گھر والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ طباق روٹیوں اور بوٹیوں سے بالکل بھرا ہوا تھا۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ:

اَنّٰی لَكِ هٰذَا — اے بیٹی! یہ سب تمہارے لئے کہاں سے آیا

یہ سن کر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے وہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب روزی دیتا ہے۔

سبحان اللہ! رحمت عالم نے اپنی نور نظر کا یہ نورانی جواب سن کر ارشاد فرمایا کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَكَ شَبِیْهَةً بِسَیِّدَةِ بَنِیْ اِسْرَائِیلَ۔

یعنی اے بیٹی! خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھ کو بنی اسرائیل کی سیدہ جناب مریم کے مشابہ اور مثل بنایا ہے۔

کیونکہ انہوں نے بھی اپنی محراب عبادت میں بے موسم کے پھلوں کو دیکھ کر یہی کہا تھا کہ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۔ پھر رحمت عالم نے حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرات حسنین اور دوسرے اہلبیت کو جمع فرما کر اس طباق میں سے تناول فرمایا۔ پھر بھی اس میں ایسی معجزانہ برکت ظاہر ہوئی کہ پورا طباق روٹیوں اور بوٹیوں سے بھرا ہوا باقی رہ گیا۔ تو حضرت بی بی فاطمہ نے اپنے پڑوسیوں اور دوسرے مسکینوں کو کھلایا۔

(روح البیان آل عمران ص 323)

حضرات گرامی! اسی طرح حضرات حسنین کریمین کو بھی جناب عیسیٰ بن مریم سے ایک خاص مشابہت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے گہوارہ ہی میں جبکہ شیر خوار بچے تھے کمالات نبوت سے سرفراز ہوئے۔

اور لوگوں سے اپنے گہوارۂ طفولیت میں کلام فرمایا۔ اسی طرح حضرات حسنین بھی اپنے بچپن ہی میں کمالات ولایت سے سرفراز ہو گئے اور ایام طفلی ہی میں ان دونوں سے خوارق عادت و کرامات کا ظہور ہونے لگا۔

بہر حال حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چونکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم سے کچھ خاص مناسبت و مشابہت ہے۔ اسی لئے بوقت مباہلہ حضور اکرم ﷺ نے انہی مقدس نفوس کو منتخب فرمایا۔

حضرات گرامی! بہرکیف ان چاروں اہل بیت نبوت کی فضیلت و عظمت اس آیت مباہلہ سے اس طرح واضح اور ظاہر ہو رہی ہے جس طرح آفتاب نصف النہار اپنے انوار کے ساتھ عالم آشکار ہوا کرتا ہے۔ خداوند قدوس ہم اور آپ کو ان کے اعلیٰ درجات کی معرفت و عقیدت اور حفظ مراتب کی توفیق خیر رفیق عطا فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلاغ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعین

چونتیسواں وعظ

اسباب زوال

سبب کچھ اَور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (آل عمران)

حضرات گرامی! سب سے پہلے عاشقانہ درود و سلام کے فلک شگاف نعروں سے اپنے دلوں کی دنیا میں ایمانی ولولہ اور اسلامی جوش و خروش پیدا کر لیجئے۔ اور بلند آواز سے پڑھیے! "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ"۔

حضرات! تقریر سے پہلے ایک نعت شریف کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ ایمانی جوش عقیدت اور اسلامی جذبہ محبت کے ساتھ سماعت فرمایئے۔

نعت شریف

در رسول سے ہرگز میں ٹل نہیں سکتا ۔۔۔ بہشت سے بھی مرا دل بہل نہیں سکتا

مئے رسول کا ایسا سرور ہے جس پر ۔۔۔ خرد کی ترشی کا جادو بھی چل نہیں سکتا

ہزاروں فلسفے بگڑے، بنے، بدل بھی گئے ۔۔۔ مگر رسول کا قرآں بدل نہیں سکتا

ہے تیز گام بہت ہی یہ آفتاب مگر ۔۔۔ نہ پائے ان کا اشارہ تو چل نہیں سکتا

ہزار آتش دوزخ لپک لپک کر بڑھے ۔۔۔ نبی کی شمع کا پروانہ جل نہیں سکتا

وہ کہدیں شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آئے ۔۔۔ جو دن کو شب کہیں سورج نکل نہیں سکتا

نہ جس میں پھول ہوں حب رسول کے اے دل ۔۔۔ وہ نخلِ آرزو تا حشر پھل نہیں سکتا

خدا کا قہر ہے ان کی نگاہ کا پھرنا ۔۔۔ گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

سکینہ حب نبی کا ہوں جسکے سینے میں ۔۔۔ ہزار حشر ہو، وہ دل دہل نہیں سکتا

کرم ہے مہر مدینہ کا اعظمی مجھ پر
مرے عروج کا خورشید ڈھل نہیں سکتا

حضرات محترم! یہ تین اصول یاد رکھئے۔ اول یہ کہ ہر چیز کے وجود ہستی کی ایک غرض اور اس کی بقاء کا ایک مقصد ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی چیز جب تک اپنے وجود کی غرض وغایت کو پورا کرتی رہتی ہے اس کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے اور جب وہ اپنے مقصد وجود و بقاء کو کھودیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جس کسی چیز کی قدر و قیمت بالکل ختم ہو جاتی ہے تو اس چیز کا مالک اس کی حفاظت و نگہداشت چھوڑ دیتا ہے۔

مثلاً پنڈال کا شامیانہ اس کے وجود و بقاء کا یہ مقصد ہے کہ دھوپ یا شبنم سے بچائے اور جلسہ گاہ کو زینت دے۔ اسی طرح بلب کی ہستی اور اس کی موجودگی کا یہ مقصد ہے کہ وہ روشن ہو کر ساری مجلس میں اجالا پھیلاتا رہے۔ اسی طرح اسٹیج پر اگالدان اسی مقصد سے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں پان کی پیک ڈالتے ہیں تاکہ فرش گندہ اور خراب نہ ہونے پائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک شامیانہ بلب اور اگالدان اپنے مقصد وجود کو پورا کرتے رہیں گے۔ ان کی قدر و قیمت باقی رہے گی۔ اور جب یہ اپنی موجودگی کی غرض وغایت فنا کر دیں گے تو ان کی قدر و قیمت یقیناً بہت کم یا بالکل ہی ختم ہو جائے گی اور ان کی نگہداشت و حفاظت بھی چھوڑ دی جائے گی۔

مثال کے طور پر اگر شامیانہ پھٹ پھٹا کر چیتھڑوں کا ڈھیر بن جائے اور اپنی غرض وغایت اور اپنے وظیفہ وجود کو کماحقہ پورا کرنے کے قابل نہ رہے۔ نہ دھوپ اور شبنم سے بچائے، نہ جلسہ گاہ کی زینت بننے کے لائق رہے تو یہی شامیانہ جس کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہے کہ ہم اس پر کافی رقم خرچ کر کے اس کو اپنے سروں کے اوپر جگہ دیتے ہیں۔ اس کی قدر و قیمت اس قدر گھٹ جائے گی کہ ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ لپیٹ لپاٹ کر کسی پرانے مکان کی دقیانوسی کوٹھڑی میں ڈال دیں گے جہاں اس سے زیادہ اس کی قدر و منزلت نہیں ہو گی کہ اس میں چوہوں اور چھچھوندروں کا راج محل بنے گا یا مچھروں کی بارات اس میں چھپ کر سارنگی بجائے گی۔ اور جھینگروں کا غول اس میں بیٹھ کر برساتی برہا گائے گا اور اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بلب جس کو ہم سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اگر فیوز ہو جائے تو ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ اٹھا کر کوڑوں کے ڈھیر پر پھینک دیتے ہیں۔ یوں ہی اگالدان جو نہایت اعزاز کے ساتھ علماء اور مشائخ کے پہلو میں ہمیشہ ہرا سٹیج پر بٹھایا جاتا ہے۔ اگر اس کے پیندے میں سوراخ ہو جائے اور یہ فرش کو گندہ کرنے لگے تو فوراً ہی اس کو اسٹیج سے اٹھا

کر کسی گندی جگہ رکھ دیا جاتا ہے۔ غرض اس کی ہزاروں مثالیں ہیں کہ جب بھی کوئی چیز اپنے مقصد وجود، اور اپنی ہستی کی غرض و غایت کو ضائع کر دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو بوڑھے تو بوڑھے، جوان تو جوان، بچے بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بچوں کی کہانیوں میں نا ہوگا!

کچھ بھی نہیں:۔ کہ ایک چوڑی فروش اپنی پیٹھ پر چوڑیوں کی ایک گٹھڑی لاد کر چلا جارہا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کی گٹھڑی پر ایک لٹھ مار کر پوچھا کہ ابے بول! اس میں کیا ہے؟ چوڑی فروش نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ صاحب! اگر اس پر ایک لٹھ اور مار دیجئے تو پھر اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ چوڑیاں جب تک ٹوٹی نہیں ہیں ان کی قدر و قیمت ہے، لیکن اگر چوڑیاں ٹوٹ جائیں تو پھر ان کی کوئی قیمت ہی نہیں رہتی!

سر کے بال پاؤں تلے:۔ حضرات! کون نہیں جانتا کہ ہمارے سروں کے بال جب تک ہمارے سروں کی زینت بنے رہتے ہیں ان کی قدر و قیمت کا کیا عالم رہتا ہے؟ ہم ان بالوں کو صابن سے دھوتے ہیں۔ تیل ڈالتے ہیں۔ کنگھی کر کے ان کو سنوارتے رہتے ہیں۔ ان کو چلنے، ٹوٹنے، گرنے سے بچاتے رہتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن ہمارے سروں کے یہی بال جب حجام کاٹ کر اپنے رومال میں رکھ لیتا ہے تو باوجودیکہ اب بھی یہ ہمارے ہی سروں کے بال ہیں مگر ہم ان بالوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ نہ ان کی حفاظت کی کوشش کرتے ہیں۔ حجام ان بالوں کو کوڑے کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیتا ہے اور یہ ہر ایک کے پاؤں سے روندے جاتے ہیں اور ہمیں اس پر کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اسی لئے تو کہ اب ان بالوں نے اپنے مقصدِ وجود کو کھو دیا اور اپنے فرائض ہستی کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہے۔

حضرات گرامی! بہر کیف ان تینوں اصولوں کی روشنی میں دور حاضر کے دو نہایت ہی اہم سوال جو ہر مسلمان کے دل کی گہرائی میں سر اٹھاتے رہتے ہیں۔ بلکہ دلوں کا کانٹا بن کر کھٹکتے رہتے ہیں۔ بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح حل ہو جاتے ہیں کہ اس میں کسی غور و فکر یا بحث و تمحیص کی حاجت ہی نہیں پڑتی۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں

بالکل ہی ختم ہو گئی؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تائید خداوندی مسلمانوں کی نصرت و اعانت اور نگہداشت و حفاظت کیوں نہیں فرماتی؟ ہم سے پہلے کے مسلمانوں کی قدر و قیمت اور ان کی سطوت و شوکت کا یہ عالم تھا کہ ؎

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان میں اکھڑ جاتے تھے
حق سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یا یوں سمجھئے کہ ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آئے
جہاں پہنچے زمین کو آسماں کر دیا اونچا
جہاں ٹھہرے درودیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی ان کے دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں میں بھی ان کے فیض کے چشمے ابل آئے

اور نصرت خداوندی کا یہ عالم تھا کہ جنگ بدر ہو یا جنگ احد، جنگ خندق ہو یا جنگ حنین ہر جگہ جب کفار کے لشکروں کا دل بادل مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے عزم سے حملہ آور ہوا تو تائید ربانی نے مسلمانوں کی اس طرح حفاظت و نگہبانی فرمائی کہ آسمانوں سے فرشتوں کا قدسی لشکر زمین پر بھیج دیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (ال عمران) یعنی پانچ پانچ ہزار فرشتوں کی فوج رب العالمین مومنین کی امداد و نصرت کے لئے زمین پر اتار دیتا تھا اور یہ آسمانی لشکر مسلمانوں کی امداد و نصرت میں اپنی ملکوتی طاقت کے وہ جوہر دکھاتا تھا کہ کفار کے دلوں کی دنیا میں زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا اور مسلم مجاہدین کا حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا تھا کہ جب لشکر کفار اپنی زبردست یلغار کے ساتھ مسلمانوں کے

سامنے نمودار ہوتا تھا تو مجاہدین اسلام نعرۂ تکبیر کی للکار کے ساتھ جوش جہاد میں بھرے ہوئے اپنی تیر اندازی اور شمشیر بازی کا یہ منظر پیش کرتے تھے کہ

کہ فوجِ کفر اگر بپھرے ہوئے فیلوں کا لشکر تھا
تو پھر تیروں کی بارش بھی ابابیلوں کا لشکر تھا

نہ پائی دیکھنے والی نگاہوں نے بھی آگاہی
کب اٹھی، کب گری، کیسے پھری تیغ یداللّٰہی

اٹھی اٹھ کر کھینچی، کھینچ کر گری لوہے کے مغفر پر
یہ مغفر کٹ گیا، آئی ہوئی اب آ گئی سر پر

سر خود سر کو توڑا، چہرہ کاٹا حلق سے نکلی
صدائے "الحذر" ہر سو زبان خلق سے نکلی

مگر افسوس! صد افسوس! کہ آج یہ انقلاب ہو گیا کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت بالکل ہی ختم ہو گئی اور ان کی سطوت و شوکت کی روح اس طرح فنا ہو گئی کہ ایک بزدل اور ذلیل و خوار قوم کے چند خونخوار غنڈے، اپنی تلواروں سے سینکڑوں مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالتے ہیں۔ مسلمانوں کے ننھے ننھے بچوں کو ان کے ماں باپ کی نظروں کے سامنے انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالتے ہیں۔ ان کے مال و دولت کو ڈاکوؤں کی طرح لوٹتے ہیں۔ ان کے مکانوں اور دکانوں کو غارت کر کے جلا ڈالتے ہیں ان کی مسجدوں، مزاروں اور خانقاہوں کو توڑ پھوڑ کر آگ کے شعلوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان کی مستورات پر ہاتھ ڈال کر ان کی عزت و ناموس کے پرچم عظمت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیتے ہیں۔ قرآن مجید اور مقدس دینی کتابوں کو جلا کر اس کی راکھ کو اپنے ناپاک قدموں سے روندتے ہیں۔ غرض یہ انسان نما شیطان ظلم و طغیان کے ایسے ایسے حیا سوز، اور دلدوز رقص ابلیس کا نظارہ کرتے ہیں کہ چنگیز و ہلاکو کی روحیں بھی اس کے تصور سے کانپ اٹھتی ہیں۔ مگر مجبور و لاچار مسلمان ان تمام مظالم کے طوفانوں میں اپنے سفینہ حیات کو غرق ہوتے ہوئے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ اور خونخوار و بزدل ظالموں کے ناپاک قدموں پر اپنی مقدس پیشانی کو جھکا کر اپنا سر کٹاتا رہتا ہے۔ مگر نہ تو اس کو خود یہ توفیق ہوتی ہے کہ وہ اپنے جذبہ ایمانی اور جوش اسلامی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے نعرۂ تکبیر کی للکار کے ساتھ مجاہد بن کر ان ظالموں کی کلائیاں موڑ دے اور مردانہ وار خدا کی راہ میں لڑتا ہوا یا غازی بن کر زندہ رہے۔ یا جام شہادت نوش کر کے دونوں جہان میں اپنی سرخروئی کا سامان کرے۔ نہ اس بے کسی و بے بسی کے عالم میں کسی جاں باز مسلمان، یا کسی اسلامی سلطنت کے سلطان کی رگوں میں اسلامی خون کی حرارت جوش میں آتی ہے کہ وہ منتقمانہ جذبات کے ساتھ اپنی آتش غیظ و غضب سے ان ظالموں کے طاغوتی نشیمن کو پھونک دے اور مظلوموں کو ان کے پنجہ ظلم و استبداد سے نجات دلائے۔ نہ آسمان سے فرشتوں کی کوئی فوج اتر کر ان مظلوم مسلمانوں کی امداد و نصرت کرتی ہے۔ غرض ملت اسلامیہ، اور قوم مسلم کی قدر و قیمت بالکل ہی ختم ہو گئی اور خداوند عالم کی امداد و نصرت، اور اس کی اعانت و حفاظت نے بھی اس قوم سے بالکل ہی اپنا رخ پھیر لیا ہے۔ اور اب اس قوم کا سفینہ نجات لاچاری و مجبوری اور بے کسی اور بے بسی کے ایسے ہوش ربا طوفانوں کی بھنور میں پھنس گیا ہے۔ کہ اس اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ؎

اب خدا ہی میری کشتی کو بچائے تو بچے
ظلمتیں یاس کی ہیں، شام ہے طوفانوں کی

بہر کیف اب یہ دونوں سوال کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں ختم ہو گئی؟ اور ان کی منجانب اللہ امداد و نصرت اور اعانت و حفاظت کیوں نہیں ہوتی؟

برادران ملت! ان دونوں سوالوں کا بس ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کا ایک مقصد حیات، اور اس کے وجود کی ایک غرض تھی جس کو قوم مسلم نے ضائع کر دیا اور آپ یہ اصول سن چکے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد وجود، اور اپنی ہستی و بقاء کی غرض و غایت کو برباد و غارت کر دیتی ہے تو لامحالہ اس چیز کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت بھی چھوڑ دی جاتی ہے!

اب صاف صاف سن لیجئے کہ اس دنیا میں مسلمان کا مقصد وجود، اور اس کی حیات و بقاء کی غرض و غایت کیا ہے؟

برادران اسلام! خطبہ کے بعد میں نے جس آیت مبارکہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ وہ اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ مسلمان کے وجود و بقاء کا مقصد، اور اس کی

زندگی کی غرض وغایت کیا ہے؟ سنئے .... اور ذرا توجہ کے ساتھ سنئے۔ خلاق عالم جل جلالہٗ کا مقدس فرمان ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

یعنی اے قوم مسلم! تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کئے گئے ہو تم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

حضرات گرامی! اب ذرا مسلمانوں کے ان چاروں مقاصد وجود کو قدرے تفصیل کے ساتھ سن لیجئے۔

خَیْرُ الْاُمَم:۔ حضرات! سب سے پہلا مقصد زندگی ایک مسلمان کے لئے "خَیْرُ الْاُمَم" یعنی بہترین امت ہوتا ہے۔ یعنی صفحہ ہستی پر آج تک جتنی امتیں نمودار ہوئیں۔ مسلمان کو اپنے عقائد واعمال، اخلاق وکردار، رفتار وگفتار غرض تمام محاسن افعال کے ساتھ اس طرح مزین ہونا ضروری ہے کہ دوسری امتوں میں جو افراط و تفریط کے بدنما داغ دھبے تھے۔ مسلمان ان بدنما داغوں کو انسانیت کی پیشانی سے دور کردے۔ اور اپنی زندگی کے ہر موڑ۔ اور اپنی حیات کے ہر نشیب وفراز میں عدل واعتدال کا دامن تھامے ہوئے صراط مستقیم پر چلتا رہے تاکہ ماضی وحال، بلکہ دور استقبال کی انسانیت مسلمان کی اعتقادی وعملی زندگی کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے کہ:

یہی وہ ہیں کہ جن کے واسطے ختم الرسل آئے
انہی پر ختم ہے "خیر الامم" کی جلوہ سامانی

برادران ملت! خیر الامم ہونا ایک مسلمان کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد حیات ہے اور یہ ایک مسلمان کے لئے ایک ایسا لازمی خاصہ ہے کہ جس طرح گلاب کے لئے خوشبو، آگ کے لئے گرمی، موتی کے لئے چمک، آفتاب کے لئے روشنی لازم ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے اپنے اعمال وافعال کے لحاظ سے تمام امتوں میں سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے بہتر ہونا لازمی اور ضروری ہے، عبادات ومعاملات ہوں، یا اخلاق وعادات غرض زندگی کے ہر

شعبہ حیات میں زندگی عمر کے آخری لمحات تک خیر ہی خیر ہو۔ یہ ایک مسلمان کا وہ طرۂ امتیاز ہے جو اس کو تمام اقوال عالم کی صفوں میں ممتاز کر کے خیر الامم کے تاج کرامت سے سرفراز کرتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مسلمان توحید الٰہی کی عظمت کا پرستار اور مدنی تاجدار کی محبت واطاعت کا جاں نثار ہوتا ہے۔ وہ خدا کے آخری پیغام یعنی قرآن مجید، اور خدا کے آخری پیغمبر یعنی شفیع محشر ﷺ کی مقدس سیرت و سنت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اسی کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے اور اپنی حیات و ممات کے ہر لمحات میں خالق کائنات کے آئین و قوانین کا فرمانبردار اور رسول مکرم ﷺ کے محاسن اخلاق و سیرت مقدسہ کا علمبردار ہوتا ہے لہٰذا امت مسلمہ کا تمام امتوں اور قوموں میں بہترین ہونا اتنا ہی یقینی ہے جتنا آگ کے لئے گرم ہونا، برف کے لئے ٹھنڈا ہونا، شکر کے لئے میٹھا ہونا لازمی اور یقینی ہے۔ مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کے تمام اعمال صالحہ، اور اخلاق حسنہ اس طرح غارت و برباد ہو گئے۔ کہ مسلمان خیر و صلاح سے خالی اور شر و فساد کا والی بن گیا۔ عبادت و ریاضت، کسب و تجارت، ایفائے عہد و صداقت، رزق حلال صدق مقال خوف ذوالجلال غرض تمام اچھے اچھے افعال اور نیک اعمال مسلمانوں کی کتاب ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے اور بد اعمالی و حرام کاری دھوکہ بازی و مکاری، عہد شکنی و غداری، الحاد و بے دینی کی گرم بازاری، اللہ و رسول سے انحراف اور دین و مذہب سے بیزاری کے سیلابوں نے مسلمانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر ہلاکت و بربادی کے ایسے گہرے سمندروں میں غرق کر دیا ہے کہ جہنم کی گہرائی بھی اس سے پناہ مانگتی ہے۔ ہائے افسوس! وہ مسلمان جو "خیر الامم" تھا آج "شر الامم" نظر آتا ہے جو بہترین تھا وہ بدترین ہو گیا۔ جو افضل تھا وہ ارزل بن گیا۔ جو اعلیٰ تھا وہ ادنیٰ سے بھی بدتر ہو گیا۔ اے زمین بتا! اے آسمان بول! کیا صفحہ ہستی پر انقلاب حال کی ایسی کوئی مثال بھی تمہاری نظروں سے گزری ہے؟ ہائے افسوس! بالکل سچ کہا شاعر مشرق نے کہ ؎

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

تم ہو صورت میں نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ایک انگریز مفکر کا جواب:۔ عزیزان ملت! مجھے ایک انگیز مفکر کی بات بار بار یاد آتی ہے۔ اس سے کسی مسلمان نے کہا کہ تم اپنے صاحب نظر ہوتے ہوئے مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ تو اس نے ایسا عبرت خیز جواب دیا کہ اس کو سن کر ہر غیرت مند مسلمان کی پیشانی پر عرق ندامت کا سیلاب امنڈ پڑتا ہے۔ اس نے کہا کہ بھائی! میں جب اس اسلام پر نظر کرتا ہوں جو مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو اسلام کی حقانیت کے سینکڑوں آفتاب میرے دل کی دنیا میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسلام کی مقدس کتابوں پر اپنا سر رکھ کر فرط عقیدت سے عمر بھر اس کے تلوے چاٹتا رہوں۔ لیکن جب میں اس اسلام کو دیکھتا ہوں جس پر آج کل کے مسلمان عمل کر رہے ہیں تو میرے دل میں اسلام سے ایسی نفرت اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے کو گویا پاپ کا ایک پہاڑ، یا وحشت و بربریت کا ایک اژدہا ہے جو میری طرف لپک رہا ہے اور میں اس سے بھاگ رہا ہوں۔

مسلمانو! اس غیر مسلم انگریز مفکر کے جواب سے عبرت پکڑو اور سوچو کہ تم کو کیا ہونا چاہئے تھا اور تم کیا ہو گئے؟ ہائے ہائے افسوس۔

بن گئے تنکے نشیمن کے قفس کی تیلیاں
بن گیا کیا؟ ہم چلے تھے کیا بنانے کے لئے؟

مسلمانو! سچ کہا ہے۔ کسی اہل بصیرت نے کہ "مسلمانان در گور، مسلمانی در کتاب" یعنی مسلمان قبروں میں چلے گئے اور اسلام کتابوں میں رہ گیا ہے۔

ایک بنئے کی بات:۔ مسلمانو! اسی طرح میں ایک بوڑھے بنئے کی بات کو عمر بھر فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میں مسلمانوں کو ادھار سودا دینے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتا۔ کیونکہ مجھے جس طرح سورج کی روشنی کا یقین ہے اسی طرح مجھے اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان کبھی بھی میری رقم نہیں مار سکتا۔ کبھی نہ کبھی ضرور میرا قرض ادا کرے گا اور اگر یہ نہ دے گا تو اس کا بیٹا یا پوتا ضرور دے گا۔ کیونکہ میں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے یہ سنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر اس مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو قرض دار ہو کر مر جاتا تھا۔

لیکن آج مسلمانوں کی بدعہدی اور بددیانتی کا حال دیکھ کر میں ہرگز ہرگز کسی مسلمان کو ادھار سودا دینا گوارا نہیں کرتا۔

اللہ اکبر! مسلمانو! سچ سچ بتاؤ کیا ہم نے اپنی بدعہدیوں اور بددیانتیوں سے غیر مسلموں کی نگاہوں میں اسلامی وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے یا نہیں؟ سوچو تو سہی کہ ہم نے اپنے کرتوتوں سے اسلام کی عزت و عظمت کا کس طرح جنازہ نکال دیا؟ اور کس طرح ہم نے ملت اسلامیہ اور قوم مسلم کے قومی و ملی پرچم و وقار کو تار تار کر ڈالا۔ افسوس! صد ہزار افسوس!۔

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے، آبادیاں بن ہو گئیں
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
خود تجلی کو تمنا جن کے نظروں کی تھی
وہ نگاہیں نامید نورِ ایمن ہو گئیں

امر بالمعروف:۔ بہر کیف اب آیئے مسلمان کے مقصد حیات اور اس کے وجود کی غرض و غایت کی دوسری کڑی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ **یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ** یعنی قوم مسلم کی حیات و زندگانی کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کے بندوں کو اچھی اچھی باتوں کا حکم دیتا رہے اور اس نیک مقصد کی ادائیگی میں مسلمان اپنی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرے۔

برادرانِ ملت! گلشن رسالت کے سب سے حسین پھول، یعنی ہمارے اور تمہارے رسول مقبول ﷺ کا اسوہ حسنہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کہ جب تمام ملک عرب ہی نہیں بلکہ سارے عالم کی انسانیت بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے خوفناک سمندر میں غرق ہو رہی تھی اور ہر طرف سیاہ کاریوں کے بادل گناہ اور پاپ کی موسلا دھار بارش برسا رہے تھے۔ خدا کے بندے خدا کے باغی اور اس قدر سرکش اور طاغی ہو چکے تھے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی بربریت و بہیمیت کے شر و فساد سے لرزہ براندام ہو رہا تھا۔ گمراہیوں اور بے دینیوں کے ابلیس نے انسانوں کے کانوں، آنکھوں اور دلوں پر ایسی شقاوت کی مہر لگا دی تھی کہ کوئی حق کو سننے، حق کو دیکھنے، حق کو

سوچنے کا بھی روادار نہیں تھا اور ہر انسان اسی ایک نغمہ کی دھن پر رقص ابلیس کرتا ہوا نظر آتا تھا کہ ؎

ناصحا! مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے
اس کو دشمن جانتا ہوں، جو مجھے سمجھائے ہے

مگر رحمت عالم ﷺ کی جرأت ایمانی کے قربان جایئے کہ ایسے پر آشوب ماحول، اور اتنے ہوشربا حالات میں بھی امر بالمعروف کا پرچم حق بلند کیا کہ تمام عزیز و اقارب، بلکہ گھر والوں نے بھی آپ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ آپ کا بائیکاٹ کیا۔ شعب ابی طالب کی تنگ و تاریک گھاٹی میں محصور کر دیا۔ اور دانہ پانی بند کر کے اپنی دانست میں ہر طرح مجبور کر دیا یہاں تک کہ آپ کے مشفق و شفیق چچا ابو طالب کے قدم بھی ڈگمگانے لگے اور انہوں نے بھی اپنی قوم کی دھمکیوں سے مرعوب و خائف ہو کر ایک دن یہ کہہ دیا کہ اے میرے پیارے بھتیجے! تم خدا کے لئے مجھ بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کھاؤ اور چند دنوں کے لئے تبلیغ حق اور امر بالمعروف کا وعظ بند کر دو۔ ورنہ میں پورے ملک عرب کے علم بغاوت بلند کر دینے کی تاب نہیں لا سکتا۔ چچا جان کی گریہ و زاری اور بے قراری کو دیکھ کر اگر کوہ ہمالیہ بھی ہوتا تو شائد اس کے پائے استقامت میں بھی تزلزل پیدا ہو جاتا۔ اگر رستم عالم بھی ہوتا تو وہ بھی غالباً لرزہ براندام ہو کر سہم جاتا۔ قدم اکھڑ جاتے۔ دل بیٹھ جاتا۔ زبان بند ہو جاتی مگر خدا کی خدائی گواہ ہے کہ ایسے ہوشربا اور حوصلہ شکن حالات میں بھی خدا کے مقدس رسول نے اپنی پیغمبرانہ استقامت کے ساتھ اپنے چچا جان کو یہ جواب دیا کہ اے مہربان چچا! اگر ملک عرب والے میرے ایک ہاتھ میں سورج، اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں اور اس کے بدلے میں مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی امر بالمعروف اور تبلیغ حق کا وعظ بند کر دوں تو یہ غیر ممکن اور محال ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ! سچ ہے ؎

بنائے آسماں بھی جس زمیں پر ڈگمگاتی تھی
محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
خوشی تھی فتح کی ان کو نہ کوئی غم ہزیمت کا
مثال عرش قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا

خاک نے بارہا انسان کو جنگ آزما پایا
نہ قائم اس طرح کوئی محمد کے سوا پایا

برادران اسلام! اسی طرح اگر تم صحابہ کرام کی مقدس زندگی کا مطالعہ کرو گے تو تمہیں یہی نظر آئے گا کہ ہر صحابی نے اپنی حیات کے آخری لمحات تک امر بالمعروف اور تبلیغ شریعت کے فرائض کو ادا کرتے ہوئے دنیا سے آخرت کا سفر کیا۔ اللہ اکبر! مسلمانو! اس موقع پر مجھے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری زندگی کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ جس کو سن کر دل تڑپ جاتا ہے۔

امر بالمعروف بستر مرگ پر:۔ حضرات! آپ نے بارہا علمائے کرام سے سنا ہو گا کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح شہید ہوئے کہ عین حالت نماز میں جب کہ آپ مصلّٰی پر نماز فجر کی امامت فرما رہے تھے۔ ایک ازلی شقی ابولولوء فیروز مجوسی کافر نے آپ کے شکم مبارک میں خنجر مارا۔ لوگ امیر المومنین کو مسجد سے اٹھا کر کاشانہ خلافت میں لائے۔ طبیب نے کھجور کا شربت پلایا۔ تو وہ آنتوں سے نکل کر باہر آ گیا۔ پھر دودھ پلایا تو وہ بھی آنتوں سے بہہ نکلا۔ اس کے بعد طبیب نے کہہ دیا کہ اے امیر المومنین! آپ اب وصیت شروع کر دیجئے۔ اب آپ کا علاج غیر ممکن ہے۔ اور یہ آپ کا آخری وقت ہے۔ یہ سن کر امیر المومنین وصیت فرمانے لگے عین اسی حالت میں ایک انصاری نوجوان کو آپ نے دیکھا کہ اس کا تہبند ٹخنوں سے نیچے زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ آپ اس حالت میں بھی ایک مسلم نوجوان کی اتنی سی خلاف شرع بات کو برداشت نہیں کر سکے۔ باوجود یہ کہ زخموں کی تکلیف سے لبوں پر دم آ چکا ہے مگر اس حال میں بھی امر بالمعروف کا جذبہ کم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے اس نوجوان کو مخاطب فرما کر اس طرح ارشاد فرمایا کہ:

یَاابْنَ اَخِیْ اِرْفَعْ ثَوْبَكَ فَاِنَّهٗ اَنْقٰی لِثَوْبِكَ وَاَتْقٰی لِرَبِّكَ

(بخاری جلد 1 ص 524)

یعنی اے میرے بھتیجے! اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے اوپر اٹھا لے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تیرے کپڑے بھی زمین کے گرد و غبار سے صاف ستھرے رہیں گے اور تو اپنے رب کا پرہیزگار بندہ بن جائے گا۔

مسلمان بھائیو! دیکھ لیا آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امر بالمعروف کا جذبہ؟ کیوں نہ ہو؟ کہ یَاْ مُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ایک مومن کا مقصد حیات اور اس کی زندگی کا ایک اہم نصب العین ہے۔

نہی عن المنکر:۔ اچھا! برادران ملت! اب آیئے مومن کے مقصد حیات کی تیسری کڑی یعنی یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی بھی کچھ تجلیاں دیکھ لیجئے۔ اچھی باتوں کا حکم دینا "امر بالمعروف" ہے اور بری باتوں سے منع کرنا یہ "نہی عن المنکر" ہے۔ جس طرح اچھی باتوں کا حکم دینا مسلمان کی ہستی کا مقصد عظیم ہے۔ اسی طرح بری باتوں سے روکنا بھی مسلمان کی زندگی کا ایک بڑا نصب العین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بارہا آپ نے یہ حدیث شریف سنی ہوگی کہ:

مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔

یعنی تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو کہ اپنے ہاتھ سے روک دے تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو کم سے کم اس برائی کو اپنے دل سے برا سمجھ کر اس سے بیزاری ظاہر کرے اور اگر کوئی اتنا بھی نہ کر سکا تو پھر سمجھ کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے!

حضرات! حقیقت یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا یہ درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ کا ایک بڑا شاہکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں جان قربان کرنے والے شہادت کبریٰ کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کی کرامتوں کو دیکھ کر مومن تو مومن، کفار و مشرکین کے سینوں میں پتھروں سے زیادہ سخت دل بھی موم سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں۔

ایک عجیب کرامت:۔ حضرات! اس وقت مجھے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کرامت یاد آگئی۔ یہ ان مقدس جانباز مجاہدین اسلام میں سے ہیں جن کو رحمت عالم ﷺ نے کفار کی بستیوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ نو دوسرے صحابہ کرام بھی تھے۔ یہ لوگ جب عسفان و مکہ کے درمیان پہنچے تو قبیلہ بنو لحیان کے مشرکوں نے ناگہاں ان

لوگوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے سات صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ اور حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما زندہ کفار کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے اور مکہ لائے گئے اور کفار مکہ نے ان دونوں کو تختہ دار پر نیزہ مار مار کر شہید کر دیا۔ پھر جب کفار مکہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ عسفان و مکہ کے درمیان شہید کر دیئے گئے ہیں۔ تو چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر کے دن بڑے بڑے کفار مکہ کو قتل کر چکے تھے۔ اس لئے ان ظالموں نے جوش انتقام میں چند لوگوں کو بھیجا کہ حضرت عاصم کے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر لائیں۔ جس سے یہ شناخت ہو جائے کہ واقعی یہ اسلام کا جاں باز بہادر قتل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس برے ارادے سے جب کفار مکہ ان کی لاش کو تلاش کرتے ہوئے قریب پہنچے تو کیا دیکھا کہ خداوند تعالیٰ نے لاکھوں شہد کی مکھیوں کا لشکر بھیج دیا ہے جنہوں نے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چنانچہ ہزاروں کوششوں کے باوجود کفار مکہ ان کا کوئی عضو تو کیا کاٹ سکتے ان کی مقدس لاش تک بھی نہیں پہنچ سکے اور نامراد واپس لوٹ گئے۔ (بخاری جلد 2 ص586)

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! حضرات محترم دیکھ لیجئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں جان قربان کرنے والوں کا درجہ اور رتبہ کہ شہد کی مکھیوں کی شکل میں خداوند قدوس نے آسمانی لشکروں کو ان کی لاشوں کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ اور اس کی رحمت نے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ کوئی کافر اس شہید فی سبیل اللہ کی لاش مبارک کی بے ادبی کر سکے۔ اللہ اکبر کیوں نہ ہو ؎

جہاد فی سبیل اللہ پر ہو کر کمر بستہ
لیا ہو جس مجاہد نے شہادت کا رستہ
خدا و مصطفٰے کے دشمنوں پر موت برسا کر
وہ گر جائے اگر میدان میں تیر اجل کھا کر
وہ زندوں سے زیادہ زندہ ہے پھر اس کا غم کیسا؟
بہت مسرور ہے وہ اس پہ رونا اور الم کیسا؟
سپر کر دے جو بہر دین و ملت سر بھی سینہ بھی
مبارک اس کا مرنا بھی مبارک اس کا جینا بھی

حضرات! بہر کیف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک مسلمان کا مقصد حیات اور اس کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اور خدا کی قسم! میں ان مبلغین اور واعظین کو بہت ہی قابل قدر سمجھتا ہوں۔ جو امت مسلمہ کو اپنے وعظوں و تقریروں سے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرماتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ اس دور میں جہاد فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب پانے کے مستحق ہیں۔ خداوند کریم ان کے فیوض و برکات میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

واعظ کی شان:۔ لیکن ہاں ایک اور ضروری بات بھی اس موقع پر عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دینے والا، اور بری باتوں سے منع کرنے والا، اس کی کیا شان ہونی چاہئے؟ تو برادران ملت! یہ بہت ہی ضروری ہے کہ وعظ کہنے والا خود بھی علم کے ساتھ ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال ہو۔

کیونکہ حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ج اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ (بقرہ)

یعنی اے لوگو! تم دوسروں کو تو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو لیکن خود اپنی ذاتوں کو بھولے بیٹھے ہوئے ہو۔ حالانکہ تم لوگ کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ تو کیا تم لوگ اپنے اس کرتوت کو برائی نہیں سمجھتے ہو؟

برادران ملت! دیکھا آپ نے خداوند قہار و جبار کے قہر و جلال کا تیور؟ جو لوگ دوسروں کو تو خیر اور نیکی کا حکم دیتے ہیں مگر خود خیر اور نیکی کے کاموں سے دور رہتے ہیں۔ ان کو خداوند قادر و قیوم نے زجر و توبیخ فرماتے ہوئے "بے عقل" اور "ناسمجھ" جیسے خطابوں کے ساتھ مورد عتاب فرمایا۔

اس لئے واعظین کرام کو لازم ہے کہ وہ خود بھی اپنے اعمال و افعال کو شریعت مقدسہ کی تعلیم کے مطابق درست رکھیں اور بخاری شریف کی اس حدیث پر نظر رکھیں جو بہت ہی عبرت خیز ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس طرح جہنم میں چکی پیتا ہو گا۔ جس طرح گدھا چکی چلایا کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر جہنمی لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس سے کہیں گے کہ اے فلاں! ارے تو بھی جہنم کے اندر

عذاب میں مبتلا ہے؟ حالانکہ تو وہ شخص ہے کہ دنیا میں تو لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا اور بری باتوں سے منع کیا کرتا تھا تو وہ شخص یہ جواب دے گا کہ:

اِنِّیْ کُنْتُ اٰمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اَفْعَلُهٗ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَاَفْعَلُهٗ

(بخاری ج2 ص1052)

یعنی میں لوگوں کو تو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتا تھا مگر خود اچھے کام نہیں کرتا تھا اور میں دوسروں کو تو بری باتوں سے منع کرتا تھا مگر میں خود ان برے کاموں کو کرتا تھا۔

مگر افسوس! کہ آج کل تو یہ حال ہے کہ بعض مقررین اور واعظین نے اپنے عمل و کردار اور ذہنیت کی پستی سے عوام کے ذہنوں کو اس قدر بدظن کر دیا ہے کہ عوام ان لوگوں کی پرجوش تقریروں کو سن کر زبان قال سے نہیں تو زبان حال سے اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ بھی ہے
آنکھوں میں سرور عشق نہیں، چہرے پر یقین کا نور نہیں

بلکہ مجھے معاف فرما دیجئے تو کہہ دوں کہ اب تو ایسے واعظوں کی کمی نہیں جو اپنے تھوک سے ہزاروں روپے کما لیتے ہیں۔ غالباً آپ لوگوں نے تھوک سے ہزاروں روپیہ کمانے والے واعظ کا قصہ تو سنا ہی ہوگا اور اگر نہیں سنا ہے تو مجھ سے سن لیجئے!

تھوک کا روپیہ:۔ حضرات! سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب بہت ہی آتش بیان واعظ تھے مگر بہت ہی کاہل اور عہدی مزاج تھے۔ دن بھر گھر میں بیٹھے روٹی اور پلنگ توڑتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی جب ان سے کہتی کہ خدا کے لئے کچھ کمائیے تو ڈانٹ کر کہہ دیتے تھے کہ چپ رہو۔ میں وہ باکمال شخص ہوں کہ میں اگر چاہوں تو اپنے تھوک سے ہزاروں روپے کما سکتا ہوں۔ ایک دن بیوی نے جل کر کہہ دیا کہ نوج۔ تمہیں قسم ہے کہ اپنے تھوک سے ہزاروں روپے تو کجا؟ ذرا (100) ہی روپیہ کما کر دکھا دو تو میں مان لوں گی کہ واقعی تم صاحب کمال ہو۔ ورنہ میں تو یہی سمجھوں گی کہ بقول کسی شاعر کے ؎

مرے اشعار اڑ جائیں تو اس میں کیا تعجب ہے
جناب شیخ تو اکثر اڑا دیتے ہیں بے پر کی

بیوی کا یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سن کر مولوی صاحب بلبلا گئے۔ اور جھٹ پٹ پلنگ سے کود کر باہر نکل گئے اور گھر سے سینکڑوں میل دور جا کر داڑھی مونچھ کا صفایا کر ڈالا اور ایک تہبند اور بنیان پہن کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں شیعوں کی مسجد میں جھاڑو دینے کی نوکری کرنے لگے۔ مسجد میں جھاڑو دیتے۔ حوض صاف کرتے، چٹائی اٹھاتے بچھاتے اور روزانہ ہر شخص سے یہی کہتے کہ ہائے افسوس! میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ بالکل ہی جاہل رہ گیا ورنہ میں بھلا مسجد میں جھاڑو دیتا؟ اپنی جہالت کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے ایک دن بازار سے قاعدہ بغدادی لائے اور مکتب میں جا کر ملا جی سے الف۔ بے پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر دال جال کے سوا کبھی دال ذال نہیں پڑھا۔ غرض ساری بستی کو پورا پورا یقین دلا دیا کہ مسجد کا بھنڈاری بالکل ہی جاہل مطلق اور نرا دیہاتی گنوار ہے۔ مگر ایک دن بالکل اچانک فجر کی نماز کے بعد اعلان کر دیا کہ سب لوگ ٹھہر جائیں۔ میں آج وعظ پڑھوں گا۔ چنانچہ جھٹ ممبر پر چڑھ گیا۔ شعلہ بیان مقرر تو تھا ہی۔ چند منٹوں میں اپنی آتش بیانی اور تقریر کی روانی سے سامعین کو محو حیرت بنا دیا۔ مناقب و مثالب بیان کرتے کرتے ایک دم جو اہل بیت کے مصائب پر دل ہلا دینے والی تقریر کر دی۔ تو سامعین روتے روتے آنسوؤں میں لت پت ہو گئے اور بھنڈاری صاحب منبر سے جھٹ پٹ دھم سے کود کر فرش پر کھڑے ہو گئے۔ اور "علی مولیٰ"، "حیدر مولیٰ" کا نعرہ لگانے لگے۔ سامعین نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ بھنڈاری صاحب! خدا کے لئے جلد بتایئے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ آپ جیسے جاہل گنوار رات بھر میں اتنے بڑے مقتدر عالم ہو گئے کہ بڑے بڑے قبلہ و کعبہ بھی آپ کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس سوال کو سن کر بھنڈاری صاحب چیخ مار کر رونے لگے۔ اور کہا کہ بھائیو! تم لوگ جانتے ہی ہو کہ میں کتنا بڑا جاہل تھا۔ مگر آج رات جب میں نو سو ننانوے مرتبہ "نادِ علی" پڑھ کر سویا تو خواب میں حضرت مولیٰ علی کی زیارت نصیب ہوئی۔ مولائے کائنات نے مجھ سے خوش ہو کر فرمایا کہ "منہ کھول" چنانچہ میں نے اپنا منہ کھول دیا تو حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ بس ایک دم میرا سینہ کھل گیا اور میں دم زدن میں تمام علوم و فنون کا ماہر بن گیا۔ یہ سن کر پورا مجمع علی مولیٰ۔ حیدر مولیٰ کہہ کر زار زار رونے لگا اور ہر شخص اپنا سینہ کوٹنے پیٹنے لگا۔ گھنٹوں ماتم ہوتا رہا۔ پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ بھنڈاری صاحب واللہ۔ آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ

حضرت مولیٰ نے آپ کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اب خدا کے لئے آپ ہم لوگوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیجئے تاکہ ہمارے منہ بھی طیب و طاہر ہو جائیں۔ بھنڈاری نے تڑپ کر کہا کہ ہرگز نہیں۔ میں یوں ہی مفت میں تم لوگوں کو اس سعادت سے سرفراز نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی صاحب ایک سو روپیہ حضرت مولیٰ کی نذر و نیاز کا پیش کرے تو میں اس کی یہ تمنا پوری کر دوں گا۔ یہ سننا تھا کہ سب ایک ایک سو روپیہ لے کر حاضر ہو گئے۔ بھنڈاری صاحب ہر ایک سے سو روپیہ لیتے اور یہ کہتے کہ منہ کھولو۔ وہ غریب چونچ پھاڑ کر منہ کھولتا تو بھنڈاری صاحب منہ بھر تھوک اس کے منہ میں "آخ تھو" کہہ کر تھوک دیتے۔ اسی طرح آخ تھو۔ آخ تھو کر کے سب کے منہ میں تھوکا اور ہزاروں روپیہ لے کر رات کی تاریکی میں چپکے سے چپت ہو گئے اور گھر میں آ کر نوٹوں کی گڈیاں بیوی کے قدموں میں ڈال کر کہا کہ لو بیگم! واللہ اگر تم کہو تو میں کعبہ کے اندر قرآن شریف سر پر رکھ کر قسم کھالوں کہ یہ ساری رقم میرے تھوک کی کمائی ہے۔ یہ سن کر بیوی نے کہا کہ وہ کیسے؟ تو مولوی صاحب نے اپنے بہروپ کی پوری کہانی سنا دی۔ بیوی داستان سن کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی اور کہنے لگی کہ واہ مولوی صاحب! اب میں مان گئی کہ واقعی ؎

بہت باریک ہیں واعظ کی چالیں

اور بالکل سچ کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے کہ ؎

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملّا ہے، نہ واعظ نہ حکیم

حضرات! بہر حال میں اپنے مقصد سے بہت دور چلا گیا۔ مگر کیا کروں؟ بات آ گئی تو کہنا ہی پڑتا ہے ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

"خیر" اب میں پھر اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں۔ ذرا غور سے سنئے اور ایک مرتبہ درود شریف کا ورد کر لیجئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّم

حضرات گرامی! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسلمان کا مقصد حیات چار چیزیں ہیں خیر الامم

ہونا۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، ان تینوں مقاصد کو تو میں ایک حد تک عرض کر چکا ہوں۔ اب چوتھا اور آخری مقصد بھی سن لیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی اللہ پر ایمان رکھنا۔

حضرات "ایمان باللہ" یعنی اللہ کی ذات پر ایمان رکھنا۔ یہ بظاہر ایک مختصر سا جملہ ہے مگر اگر غور کیجئے تو پورا اسلام اسی ایک جملے میں سمایا ہوا ہے اس لئے کہ اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا محور اور دار و مدار اسی ایمان باللہ کی حقیقت پر ہے۔ رسولوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، قیامت پر ایمان، تقدیر پر ایمان، غرض تمام ایمانیات پر ایمان اسی حیثیت سے فرض ہے کہ ان سب کا تعلق خداوند تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اسی طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تمام فرائض و واجبات، سنن و مستحبات غرض تمام اعتقادیات و عملیات کا مقصد اعلیٰ خدا ہی کی رضاء اور اسی کے رضوان و غفران کی تمنا ہے۔ اس لئے "ایمان باللہ" ایک مومن کا وہ مقصد حیات اور مقصود زندگی ہے جو تمام مقاصد حسنہ کی صف اول میں سب سے ممتاز، سب سے افضل، سب سے اعلیٰ اور سب پر بالا ہے۔

برادران اسلام! آپ حیران ہوں گے کہ صرف "ایمان باللہ" کے مختصر سے لفظ میں پورا اسلام کیونکر سمایا ہوا ہے؟ تو برادران اسلام! میں آپ کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کر دیتا ہوں جس سے انشاء اللہ بڑی آسانی کے ساتھ یہ حقیقت آپ کے ذہن میں اتر جائے گی۔ کہ ایک لفظ "ایمان باللہ" میں پورا اسلام کیونکر سمٹا اور سمایا ہوا ہے؟

میں نے قبول کیا:۔ ارے بھائیو! آپ نے نکاح ہوتے تو دیکھا ہی ہو گا؟ شادی کے وقت دولہا میاں کا تیور دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ جب برات روانہ ہوتی ہے۔ تو دولہا میاں اپنے کو نوشہ سمجھ کر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے۔ پھر قاضی صاحب آتے ہیں اور خطبہ پڑھ کر جب ایجاب و قبول کراتے ہیں تو یہی تو کہتے ہیں کہ فلاں کی لڑکی فلاں نام میں نے اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ کیا تم نے قبول کیا؟ تو دولہا میاں خوش ہو کر کہتے ہیں کہ "میں نے قبول کیا" مجمع میں یہ کہہ کر دولہا میاں مارے خوشی کے اتنا پھول جاتے ہیں کہ اس موقع پر کبھی کبھی شیروانی کے ساتوں بٹن ٹوٹ جایا کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے حاضرین کو سلام کرتے ہیں بس اسی دو بول کا نام نکاح ہے۔

لیکن نکاح کے بعد جب دلہن رخصت ہو کر دولہا میاں کے گھر آتی ہے اور گھر گرہستی سنبھالتی ہے تو پھر صبح ہوتے ہی فرمائشوں کا ایک طومار بندھ جاتا ہے۔ دلہن صاحبہ کہتی ہیں کہ میاں! بازار جایئے۔ آٹا، چاول، دال، تیل، مصالحہ، گوشت، مچھلی، لکڑی لایئے اور چٹنی کے لئے ذرا سویا، ہرا دھنیا، پودینہ اور لیموں بھی لیتے آیئے گا اور ہاں توا، کڑاہی، دیگچی، چمچہ اور طشتری، پیالے بھی خرید لیجئے گا۔ اور میرے لئے دوپٹہ شلوار، فراک کا کپڑا بھی لایئے گا اور میرے لئے منجن، برش، پوڈر، لالی، کاجل، اسنو بھی ضرور لیتے آئے گا۔ بیوی کے ان مطالبات کی شیطانی آنت جیسی لمبی فہرست سن کر دولہا میاں کے ہوش اڑ گئے۔ لمبا لمبا سانس آنے جانے لگا اور کہنے لگے کہ بیگم صاحبہ! میں یہ سب سامان کیوں لاؤں؟ نکاح کے وقت قاضی صاحب کے سامنے تو ان چیزوں کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔ میں نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ "میں نے قبول کیا" بیگم صاحبہ تڑپ کر بولیں کہ نوج! اجی جب تم نے قبول کیا تھا تو اسی قبول کیا کے اندر یہ سارے سامان آ گئے۔ آٹا، چاول، دال، تیل، مصالحہ اور گھر کے سارے سامان تمہارے اسی قبول کیا کے لفظ میں سمٹے اور سمائے ہوئے ہیں۔ ابھی کیا ہوا؟ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ چند دنوں میں میرے بچے پیدا ہوں گے تو ان بچوں کے لئے دودھ کا پوڈر، چاکلیٹ، کھلونے بھی اسی قبول کیا میں رکھے ہوئے ہیں۔ پھر ان بچوں بچیوں کے مونڈن، عقیقے، ختنے، سب کی شادیاں ان سارے مطالبات کے لشکر تمہارے اسی "قبول کیا" کے کیمپ میں چھپے ہوئے ہیں۔ بیوی کی یہ تقریر سن کر دولہا میاں عین غین ہونے لگے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے کہ بیگم! میں ہرگز ہرگز تمہاری ان فرمائشوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ میں تو نے تو صرف قبول کیا ہے۔ ان مطالبات کے پورا کرنے کا عہد تو نہیں کیا ہے۔ اب جب میاں بیوی میں جوتی کے اندر ڈال بٹنے لگی تو محلے کے پرانے پرانے خرانٹ قسم کے گھاگ چوہدریوں کی پنچائیت جمع ہوئی اور بیوی کے جائز مطالبات کو سن کر سب نے یہی فیصلہ کیا کہ دولہا میاں؟ ہوش کی دوا کرو۔ جب تم نے قبول کیا ہے تو اس قبول کیا کی ذمہ داریوں سے بھاگتے کیوں ہو؟ بیگم صاحبہ سچ کہہ رہی ہیں کہ اسی قبول کیا میں میاں بیوی کی زندگی کے تمام لوازم اور ضروریات آ گئے۔ لہٰذا تم کو بیگم صاحبہ کے تمام مطالبات پورے کرنے ہی پڑیں گے۔ یہی پنچوں کا فیصلہ ہے۔ بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کا یہی فیصلہ ہے اور یہ وہ قطعی فیصلہ ہے کہ اس کو نہ پارلیمنٹ بدل سکتی ہے۔ نہ ہائی کورٹ، یا سپریم

کورٹ میں اس کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے۔

برادران ملت! دیکھ لیا آپ نے؟ کہ صرف ایک جملہ "میں نے قبول کیا" میں زندگی بھر کی ہزاروں لاکھوں چیزیں جس طرح سمٹی اور سمائی ہوئی ہیں اسی طرح "ایمان" کے ایک لفظ میں پورا اسلام سمٹا اور سمایا ہوا ہے۔ جی! اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ ؂

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں، مسلمان ہونا

بہر کیف عزیز اور دوستو۔ مسلمان کی زندگی کے چاروں مقاصد پر میں کافی روشنی ڈال چکا ہوں۔ اور اب یہ مسئلہ صاف ہو چکا۔ لہٰذا اب اس اصول پر ایک نظر ڈالئے کہ جب تک کوئی چیز اپنے مقاصد وجود، اور اپنی ہستی کے اغراض و مقاصد کو پورا کرتی رہتی ہے، اس کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے اور جب کوئی چیز اپنے مقاصد حیات اور اپنے وجود کی غرض و غایت کو ضائع کر دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب اس زریں اصول کے پیش نظر یہ مسئلہ آئینے کی طرح صاف ہو گیا کہ مسلم قوم پہلے زمانے میں کیوں قدر و قیمت والی تھی؟ اور اب یہ قوم کیوں اس قدر بے وقعت ہو گئی کہ اس کی کوئی قدر و قیمت ہی باقی نہیں رہی؟ اور پہلے زمانے میں کیوں مسلمانوں کی حمایت و حفاظت کے لئے آسمانوں سے فرشتوں کی فوج اترتی تھی؟ اور اب اس دور میں آسمانی لشکر کی امداد و اعانت نے کیوں مسلمانوں سے اپنا منہ پھیر لیا؟

تو برادران ملت! بات بالکل صاف ہے کہ ہمارے سلف صالحین، اور پرانے زمانے کے مومنین چونکہ ان چاروں مقاصد وجود اور اپنی حیات و بقاء کی چاروں غرضوں اور غایتوں کو پورا کرتے رہے۔ یعنی خیر الامم ہونے کا ہر وقت احساس، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اللہ پر ایمان ان مقاصد کو ہمیشہ علیٰ وجہ الکمال پورا کرتے رہے، اس لئے خلق اور خالق کے نزدیک ان کی قدر و قیمت تھی اور چونکہ یہ قیمتی تھے اس لئے ان کا مالک یعنی خداوند عالم ان کی ہمیشہ حمایت و حفاظت فرماتا تھا اور آج کل کے مسلمان چونکہ اپنے ان چاروں مقاصد حیات کو برباد و غارت کر چکے اس لئے نہ مخلوق کی نگاہوں میں ان کی کوئی عزت و وقعت رہی۔ نہ خالق کے دربار میں ان کی کوئی قدر و قیمت باقی رہ گئی۔ اور جب یہ قیمتی نہیں رہے تو ان کے مالک خداوند عالم نے ان کی

حفاظت بھی چھوڑ دی۔ لہٰذا اے مسلمان بھائیو! سن لو۔ اگر تم اس دنیا میں قدر و قیمت والے بن کر رہنا چاہتے ہو اور عزت و نصرت کے خواستگار، اور خدا کی حمایت و حفاظت کے طلب گار ہو تو اگلے مسلمانوں کی طرح اپنے مقاصد حیات کو پورا کرو اور سچے مسلمان بن کر جیو۔ اور سچے مسلمان بن کر مرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اگر تم خدا کی امداد و نصرت سے محروم ہو گئے تو گردش لیل و نہار تمہیں اس طرح پیش ڈالے گی کہ تمہارے وجود کی ہڈیاں تک گرد و غبار بن کر فضائے عالم میں اڑ جائیں گی اور تمہارے وجود و ہستی کی دردناک داستان کتابوں کے صفحات میں آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بن کر باقی رہ جائے گی۔ مسلمانو! تم سنو یا نہ سنو۔ اگر گردش لیل و نہار کی للکار اور زمانے کی پکار تمہیں بیدار و ہوشیار کر رہی ہے۔ ؎

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے
مسافر! روش کارروان بدل ڈالو
جگا جگا کے تمہیں سو گئے ہیں
نشاط و لذت خواب گراں بدل ڈالو
سفینہ اب بھی کنارے پہ لگ تو سکتا ہے
ہوا کے رخ پہ چلو بادباں بدل ڈالو

وما علینا الا البلاغ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

پینتیسواں وعظ

جنگ تبوک اور تین صحابہ

بنائے آسمان بھی جس زمین پر ڈگمگاتی تھی
محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۙ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (توبہ)

حضرات گرامی! یہ مقدس و باوقار اجلاس درحقیقت مدینے کے تاجدار احمد مختار ﷺ کے ذکر جمیل کا ایک باعظمت دربار ہے۔ لہٰذا اس کے نورانی ماحول، اور ایمانی جاہ و جلال کا تقاضا ہے کہ ہم سب محبت رسول کے جذبات سے سرشار ہو کر آقائے نامدار ﷺ کی جناب تقدس مآب میں بار بار صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حضرات! تقریر سے پہلے دو نعتیہ قطعات پیش کرتا ہوں۔ انتہائی توجہ اور حضور قلب کے ساتھ سماعت فرمائیے! ؎

قلب کو عشق کا پیام آیا — یاد جس دم شہ انام آیا
روح مومن کی جھوم جھوم اٹھی — جب محمد کا لب پہ نام آیا

دوسرا قطعہ عرض کرتا ہوں۔ بغور سنئے ؎

اپنا اونچا نصیب دیکھ لیا — خود کو ان کے قریب دیکھ لیا
جب بھی سر جھک گیا تصور میں — ہم نے روئے حبیب دیکھ لیا

محترم بزرگو اور عزیز بھائیو! میں نے ابھی ابھی سورۂ توبہ کی دو آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ دونوں آیتیں اپنے مضمون کی جامعیت اور سرمایہ

عبرت ہونے کی حیثیت سے اتنا بلند مقام رکھتی ہے کہ گویا کوزے میں سمندر بھرا ہوا ہے۔ بلاشبہ یہ دونوں آیتیں ہم مسلمانوں کے لئے عبرت و نصیحت کے ایسے ایسے ایمان افروز جلوے پیش کر رہی ہیں کہ اگر ہم ان کو نورانی تجلیوں سے ہدایت کا نور حاصل کریں تو ہمارے دنیائے ایمان بقعہ نور، بلکہ نورٌ علیٰ نور بن سکتی ہے۔

حضرات! ان ایآت میں "جنگ تبوک" کے چند عبرت خیز مناظر، اور مجاہدین اسلام کی سر فروشانہ جدوجہد کی داستان کے علاوہ صحابہ کرام کے مجاہدانہ جذبہ استقامت اور مخلصانہ استقلال کی تجلیاں اس طرح جگمگا رہی ہیں جس طرح آسمان کے وسیع دامن پر ستاروں کی برأت اندھیری رات میں اپنا نور بکھیرتی رہتی ہے۔

حضرات گرامی! میں چاہتا ہوں کہ ان آیتوں کا ترجمہ سنانے سے پہلے میں ان آیات کے نازل ہونے کا سبب اور ان واقعات کو آپ کے سامنے پیش کردوں جن کے باعث یہ آیتیں یہ نازل ہوئیں۔ تاکہ ان واقعات کی روشنی میں آپ ان آیتوں کے پس منظر کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ رشد و ہدایت کے ان انمول موتیوں سے اپنے دامن مراد کو بھر لیں۔

جنگ تبوک:۔ حضرات! ان آیتوں کا تعلق "جنگ تبوک" سے ہے جس کو "غزوۂ عسرت" بھی کہتے ہیں۔ "جنگ تبوک" یہ حق و باطل کا وہ آخری معرکہ ہے۔ جس میں حضور اکرم ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرما کر مجاہدین اسلام کے لشکر کی سپہ سالاری فرمائی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب 9ھ میں یہ خوفناک اور دہشت انگیز خبر گرم ہوئی کہ رومی سلطنت کا بادشاہ قیصر روم ایک عظیم لشکر لے کر اس عزم کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے کہ شہر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر توحید الٰہی کے پرستاروں کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔ اس خبر کو سنتے ہی حضور تاجدار مدینہ ﷺ نے اپنے پیغمبرانہ عزم کے ساتھ یہ اعلان فرما دیا کہ قبل اس کے رومی لشکروں کا دل بادل مدینہ کی سرزمین پر قدم رکھے ہم آگے بڑھ کر دشمن ہی کی سرزمین پر اس طوفانی لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ اس اعلان نبوت کو سن کر شمع رسالت کے پروانے بے تابانہ دوڑ پڑے۔ اور تین ہزار جاں نثاروں کا جم غفیر جاں بازی کے لئے پرچم اسلام کے نیچے جمع ہو گیا۔

اسلامی لشکر کی مشکلات:۔ مگر اللہ اکبر! اس لشکر کی روانگی کا وقت بڑا ہی مشکل اور بے حد

کٹھن تھا۔ مسلمانوں کی مفلسی اور تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ اس طویل سفر کے لئے دس دس آدمیوں کی سواری کے لئے ایک ایک اونٹ تھا جس پر باری باری لوگ سوار ہوتے تھے اور موسم کی گرمی اور تپش کا یہ حال تھا کہ صحرائے عرب کا ایک ایک ذرہ تنور بنا ہوا تھا۔ گرم گرم ہواؤں کے جھونکوں اور لو کے تھپیڑوں سے انسان تو انسان اونٹ جیسے متحمل مزاج جانور بھی قدم قدم پر دم توڑ رہے تھے۔ راشن کی اس قدر قلت تھی کہ چوبیس چوبیس گھنٹے میں ایک ایک کھجور پر کئی کئی آدمی اس طرح بسر کرتے تھے کہ ہر ایک اس کھجور کو چوس چوس کر پانی پی لیتا تھا اور پانی کی کمی اور نایابی کی یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی منزلوں تک پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ بعض مرتبہ تو پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر جب لوگ جاں بلب ہونے لگتے تھے۔ تو کچھ حضرات اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کا پانی پی کر اپنی جان بچاتے تھے۔ مگر ان ہوش ربا مشکلات و مصائب کے باوجود صحابہ کرام کے جوش جہاد میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا اور یہ فدایان اسلام سر فروشی کے جذبات سے سر شار ہو کر مستانہ وار چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ مقام "تبوک" میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے اور ان اللہ والوں کے رعب و دبدبہ کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ رومیوں کے دل دہل گئے اور ان کے بڑے بڑے سنگین عزائم کے پہاڑ مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر کی ہیبت سے چور چور ہو کر ریت کے ذرات کی طرح بکھر گئے اور قیصر روم اس قدر خائف اور مرعوب ہو گیا کہ مدینہ پر اس کی چڑھائی کا سارا منصوبہ ہی خاک میں مل گیا اور تاجدار مدینہ ﷺ چند دنوں "تبوک" میں ٹھہر کر دشمنان اسلام کو اچھی طرح مرعوب فرما لینے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔

حضرات گرامی! جب سرکار دو عالم ﷺ تبوک سے مدینہ تشریف لائے۔ اور مسجد نبوی میں رونق افروز ہو گئے تو تقریباً اسی سے کچھ زائد کی تعداد میں وہ منافقین بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے جو اس جہاد میں نہیں تھے۔ یہ لوگ جھوٹ بول بول کر، قسمیں کھا کھا کر معذرت کرنے لگے اور اپنی چرب زبانی اور فریب لسانی سے پیغمبر کو دھوکا دینے لگے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے اور رحمت عالم ﷺ نے بھی ان لوگوں کی پردہ پوشی کے خیال سے ان کے باطن کو خدا کے سپرد فرما کر ان کے عذروں کو قبول فرما لیا اور کسی پر کوئی عتاب نہیں فرمایا!

تین صادق الایمان:۔ مگر تین صادق الایمان مسلمان ایک حضرت کعب بن مالک،

دوسرے ہلال بن امیہ، تیسرے مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ تینوں مخلص صحابہ بھی اس جہاد میں شریک نہیں تھے۔ یہ تینوں جب بارگاہ رسالت میں آئے تو ان لوگوں نے کوئی جھوٹا بہانہ نہیں پیش کیا۔ بلکہ صاف دل سے بالکل سچ سچ عرض کر دیا کہ یارسول اللہ! ہمیں کوئی مجبوری اور عذر نہیں تھا بلکہ صرف اپنی کاہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے ہم اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ جس کے لئے ہم معذرت کے خواستگار اور انتہائی ندامت کے ساتھ تائب اور معافی کے طلب گار ہیں۔

رحمت عالم نے ان تینوں مخلص صحابیوں کا بیان سن کر ارشاد فرمایا کہ ان تینوں نے واقعی بالکل سچ کہا ہے۔ مگر میں ابھی ان تینوں کے معاملہ کو موقوف رکھتا ہوں۔ جب تک ان لوگوں کے بارے میں خداوند قدوس کا کوئی فرمان نازل نہیں ہو جائے گا میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ فی الحال میں ان لوگوں کے بارے میں یہی حکم دیتا ہوں کہ تمام مسلمان ان تینوں کا مکمل بائیکاٹ کر دیں۔ رحمت عالم کا یہ ارشاد سن کر تمام مسلمانوں نے ان تینوں کا مکمل بائیکاٹ کر دیں۔ رحمت عالم کا یہ ارشاد سن کر تمام مسلمانوں نے ان تینوں سے سلام و کلام، ملنا جلنا، کھانا پینا یک لخت بالکل بند کر دیا۔ اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے۔ پھر تاجدار مدینہ ﷺ نے یہ حکم صادر فرمادیا کہ یہ لوگ اپنی اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جائیں۔

حضرات! اس بائیکاٹ سے ان تینوں مخلص صحابہ پر کیا گزری؟ اور ان لوگوں کا کیا حال ہوا؟ اس کو حضرت کعب بن مالک ہی کی زبان سے سنئے!

حضرت کعب کا بیان:۔ برادران ملت! حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی "ہلال بن امیہ" اور "مرارہ بن ربیع" تو بائیکاٹ کی مشکلات سے تنگ آکر مصیبت کے مارے اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اور اپنے گھروں میں چھپ کر رات دن انتہائی بے قراری کے ساتھ گریہ و زاری میں مصروف رہنے لگے۔ مگر میں چونکہ ایک بہادر جوان تھا۔ اس لئے میں اپنے گھر میں روپوش نہیں ہوا بلکہ میں پنجوقتہ مسجد نبوی میں باجماعت نماز پڑھتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا۔ مگر میرا قلب اس رنج و صدمہ سے پاش پاش ہوا جاتا تھا کہ جب میں بازاروں میں اپنے قدیمی دوستوں اور زندگی بھر کے مخلص رفیقوں کو سلام کرتا تھا تو وہ میرے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے بلکہ انتہائی بے رخی اور نفرت کے ساتھ

مجھ سے منہ پھیر لیتے تھے۔ اور میں مسجد نبوی میں رحمت عالم کے بالکل ہی قریب کھڑا ہوا نمازیں پڑھتا تھا اور بار بار جمال نبوت کو اس امید پر دیکھتا رہتا تھا کہ شائد رحمت عالم میری طرف دیکھ لیں۔ مگر ہائے افسوس! کہ میں جب سرکار دوجہاں کے جمال نبوت پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا تھا تو رحمت عالم اپنے چہرۂ انور کو میری طرف سے پھیر لیتے تھے اور میں جب نماز میں مشغول ہو جاتا تو میں کنکھیوں سے یہ دیکھا کرتا تھا کہ رحمت عالم میری طرف دیکھا کرتے تھے۔ مگر جب سلام پھیرنے کے بعد میں حضور کی طرف عاشقانہ نگاہوں سے نظر ڈالتا تو میرے قلب پر ایک گھونسہ سالگ جاتا تھا کہ حضور میری جانب سے اپنا رخ انور پھیر لیتے تھے۔

حضرات! جناب کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے چچازاد بھائی حضرت ابو قتادہ صحابی کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا اور میں نے ان کو سلام کیا۔ تو باوجود یہ کہ وہ مجھ پر انتہائی مہربان تھے مگر انہوں نے نہ میرے سلام کا جواب دیا نہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے ان کی اس بے رخی پر انتہائی پردرد لہجے اور ملتجیانہ انداز میں عرض کیا کہ یَا اَبَا قَتَادَةَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُنِیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی اے ابو قتادہ! میں تم کو خدا کی قسم کھا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس بات کو جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ ابو قتادہ پھر بھی کچھ نہیں بولے۔ پھر میں نے جب بار بار ان کو قسم دلا کر یہی سوال کیا تو انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُهٗ یعنی اللہ اس بات کو زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا رسول۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ابو قتادہ کے منہ سے یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں دیوار سے نیچے اتر گیا!

فرمان شاہی تنور میں:۔ حضرات! کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ابھی ابو قتادہ کے اس سلوک سے میرا دل پاش پاش ہو رہا تھا اور میرے آنسو ابھی تھمنے بھی نہیں پائے تھے کہ ایک دوسرے ابتلائے عظیم کی بلا میرے سر پر سوار ہو گئی اور وہ یہ کہ میں بازار میں چلا جا رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ملک شام کا ایک کسان لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہے کہ کعب بن مالک کون ہیں؟ اور کہاں ملیں گے؟ وہ مجھے بڑی بے قراری کے ساتھ ڈھونڈ رہا تھا اور میں نے یہ دکھا کہ کوئی زبان سے کچھ بولتا نہیں۔ مگر میری طرف اشارہ کر کے لوگ اس کو میری طرف متوجہ کر رہے تھے۔ وہ کسان میری طرف لپکا اور اس نے مجھ کو ایک خط دیا۔ جو غسان کے بادشاہ

نے میرے نام تحریر کیا تھا۔ جس میں اس نے یہ لکھا تھا کہ اے کعب بن مالک! ہم کو خبر ملی ہے کہ تمہارے نبی نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ لیکن خدا نے تمہیں اتنا ذلیل نہیں بنایا کہ دنیا میں تمہارا کوئی ساتھی اور حمایتی نہ ہو۔ تم فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ ہم تمہارے غمخوار، اور ہر طرح مددگار ہیں۔

برادران ملت! حضرت کعب فرماتے ہیں کہ یہ خط پڑھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ بھی خدا کی طرف سے میرا امتحان اور میری آزمائش کا سامان ہے۔ چنانچہ میری رگ ایمان میں جذبات کا ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ میں غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گیا اور میں نے ایک نانبائی کے جلتے ہوئے تنور میں اس خط کو ڈال دیا اور اس کسان سے کہہ دیا کہ تم اپنے وطن پہنچ کر بادشاہ غسان سے کہہ دینا کہ تمہارے خط کا یہی جواب ہے یہ کہہ کر میں چل دیا اور کسان میرا منہ تکتا رہ گیا۔ (بخاری ج2 ص635 باب حدیث کعب بن مالک)

حضرات گرامی! الغرض اسی حالت میں ان تین مخلصین صحابہ پر پچاس راتیں گزر گئیں کہ نہ کوئی ان کا پرسان حال تھا اور نہ کوئی ان کے حال زار پر ان کا غمخوار تھا۔ نہ کوئی ان کی بیقراری اور گریہ وزاری پر رحم کھانے کے لئے تیار تھا۔ در حقیقت یہ ایک ایسا روح فرسا امتحان اور جان لیوا مصیبت کا طوفان تھا کہ اگر یہ کسی پہاڑ سے ٹکرا جاتا تو شاید پہاڑ بھی اس کے صدمات کی تاب نہ لا کر چور چور ہو جاتا۔ اور گرد و غبار بن کر فضائے آسمانی میں بکھر جاتا مگر خدا کی قسم! ان استقامت کے پہاڑوں کی عظمت پر کوہ ہمالیہ کی رفعت بھی قربان کہ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہیں آئی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ رنج و غم کے صدمات کی خلش کانٹا بن کر ان کے دلوں کی گہرائیوں میں چبھتی اور کھٹکتی رہتی تھی اور اپنے ضمیر کی بے قراری سے یہ ایمان ویقین کے مجسمے ہر وقت تڑپتے اور روتے بلکتے رہتے تھے۔

دل کا کانٹا:۔ محترم حاضرین! حضرت کعب اپنی اس مشکل گھڑی کو عمر بھر یاد کر کے یہ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی فکر جو ان دنوں میرے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہتی تھی۔ وہ یہی ایک خیال تھا کہ اگر اسی حالت میں میری موت ہو گئی تو حضور رحمت عالم ﷺ میری نماز جنازہ نہیں پڑھائیں گے اور اگر خدانخواستہ انہی دنوں میں حضور اکرم ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں عمر بھر اسی حال میں رہ جاؤں گا۔ اور میری موت کے بعد میری نماز جنازہ تو کجا؟ کوئی مسلمان میری

لاش کو ہاتھ لگانے کا بھی روادار نہیں ہو گا۔ بس اس ایک تصور سے میری دنیائے وجود میں ہر دم ایک بھونچال سا رہتا تھا اور شدت رنج و غم سے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور میری روح پرواز کر جائے گی۔

توبہ قبول:۔ حضرات! غرض یہ پچاس دن ان تینوں صحابہ کے لئے پچاس برس کی تکالیف سے بھی زیادہ کٹھن تھے مگر بالآخر ان مخلص مومنین کی جاں سوز بے قراری اور دل دوز گریہ و زاری پر رحمت باری کو ایک دن پیار آ ہی گیا۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ حضور رحمت عالم ﷺ ام المومنین حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں تشریف فرما تھے کہ ناگہاں وحی الٰہی نازل ہو گئی اور رحمت عالم نے فرمایا کہ یَا اُمَّ سَلَمَةَ تِیْبَ عَلٰی کَعْبٍ اے ام سلمہ! کعب کی توبہ مقبول ہو گئی۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ!

کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا

مسلمان بھائیو! حضرت بی بی ام سلمہ کو جناب کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں سے بے پناہ ہمدردی تھی۔ اس لئے اس ارشاد مبارک کو سن کر فرط مسرت سے ام المومنین کے چہرے پر شگفتگی کے ہزاروں پھول کھل گئے۔ ایک دم بول اٹھیں کہ اَفَلَا اُرْسِلُ اِلَیْهِ فَاُبَشِّرُهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یعنی یا رسول اللہ! کیا میں کعب کے پاس ایک قاصد بھیج کر ان کو یہ خوشخبری سنا دوں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابھی اسی وقت اس خبر کا چرچا ہو گیا تو یہاں انسانوں کا ایک ہجوم جمع ہو جائے گا اور اس قدر شور و غوغا ہو جائے گا کہ اہل مدینہ کی نیند جاتی رہے گی۔ لہٰذا نماز فجر تک خاموش رہو۔

حضرات! بخاری شریف میں حضرت کعب کی روایت کردہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ:

حَتّٰی اِذَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ
اٰذَنَ بِتَوْبَةِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَكَانَ اِذَا اسْتَبْشَرَ اِسْتَنَارَ وَجْهُهٗ حَتّٰی كَاَنَّهٗ
قِطْعَةٌ مِّنَ الْقَمَرِ (بخاری ج 2 ص635)

یعنی جب حضور ﷺ نماز فجر سے فارغ ہو گئے۔ تو ہم لوگوں کی توبہ

مقبول ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور حضور کا یہ حال تھا کہ جب آپ کسی بشارت پر خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرۂ انور اس طرح چمکنے لگتا تھا کہ گویا وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں اپنی چھت پر نماز فجر پڑھ کر غمگین بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ناگہاں ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو سلع نامی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک! تجھے بشارت مبارک ہو۔ میں یہ آواز سن کر سجدے میں گر پڑا۔ پھر کیا تھا؟ مبارک باد دینے والوں کا ہجوم ہم تینوں کے گھروں کی طرف دوڑ پڑا۔ حضرت زبیر بن العوام گھوڑا دوڑاتے ہوئے مبارکباد کے لئے میرے مکان پر آئے اور حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز سے چیخ مار کر مجھے پکارا اور مبارکباد دی۔ پھر دوڑتے ہوئے میرے مکان پر آئے۔ تو میں ان کو دیکھ کر جوش مسرت سے اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے اپنے بدن کا سارا لباس اتار کر ان کو بطور انعام کے دے دیا۔ اس کے بعد جب میں دربار نبوت میں حاضری دینے کے لئے چلا تو راستے میں انصار و مہاجرین دوڑ دوڑ کر مجھے مبارکباد دینے لگے اور جب میں نے دربار رسول میں حاضر ہو کر سلام کیا تو چہرۂ انور پر مسرت و شادمانی کے انوار کی ایسی تابانی تھی کہ چہرۂ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ اَبْشِرْ یَا کَعْبُ بِخَیْرِ یَوْمٍ مُنْذُ وَلَدَتْکَ اُمُّکَ ''یعنی اے کعب! تجھ کو یہ بشارت مبارک ہو کہ جس دن سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے آج تک اس سے زیادہ اچھا دن تجھے زندگی میں دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہے۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری توبہ کی مقبولیت کا اعلان آپ کی بارگاہ عالی شان کی طرف سے ہے؟ یا خداوند ستار و غفار کے دربار سے میری توبہ کی قبولیت کا اظہار کیا جا رہا ہے؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ بَلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یعنی اے کعب! یہ اعلان خدا کی طرف سے ہے۔ یہ سن کر حضرت کعب مچل گئے اور جوش مسرت میں یہ اعلان کر دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اسی خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں بطور صدقہ کے دے دیا۔ سبحان اللہ!

کروں تیرے قدموں پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

حضرت کعب کا یہ جملہ سن کر حضور رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ اے کعب! اپنے مال کا کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ حضرت کعب نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور والا کا حکم ہے تو میں صرف خیبر والی زمین اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔ باقی میرا سارا مال وسامان خدا کی راہ میں قربان ہے۔ (بخاری جلد 2 ص 636)

برادران ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو خداوند عالم نے ان مقدس آیات میں ارشاد فرمایا ہے۔ اب ذرا بگوش ہوش ان آیات مبارکہ کا ترجمہ سنئے اور پہلے ایک بار باآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔ اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد وبارك وسلم۔

ترجمہ آیات:۔ حضرات گرامی! ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی پر، اور ان مہاجرین وانصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی۔ جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبی کی پیروی کی۔ بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں۔ پھر اللہ ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ بے شک وہ ان لوگوں پر نہایت ہی مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ

اور ان تین شخصوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جو موقوف رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہوتے ہوئے بھی ان لوگوں پر تنگ ہوگئی اور وہ لوگ اپنی جان سے تنگ آگئے۔

وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ

اور انہیں یہ یقین ہوگیا کہ اللہ سے پناہ نہیں مل سکتی مگر اس کے پاس۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔

پھر اللہ نے ان لوگوں کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے!

حضرات! یہ ان آیات مقدسہ کا واضح اور مطلب خیز ترجمہ تھا جس کو میں نے بہت ہی سادہ اور شگفتہ الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ ان آیتوں کی شان نزول میں پہلے ہی آپ کو سنا چکا۔ اب ضرورت ہے کہ ہم ان آیات مبارکہ میں ان عبرت آموز اور نصیحت خیز نتائج پر بھی ایک نظر ڈالیں کیونکہ در حقیقت ان آیات کے نزول کا اصلی منشاء و مقصد یہی نتائج ہی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ارشاد ہوا ہے کہ "عِبْرَۃ لاولی الابصار" یعنی آیات قرآنیہ اسی لئے نازل کی گئی کہ بنی نوع انسان نگاہ عبرت کے ساتھ ان پر نظر ڈالیں اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کو میں ان چند نکتوں کی طرف متوجہ کر دوں۔ جو ان آیتوں میں پوشیدہ ہونے کے باوجود اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح آسمان کی نیلی چادر میں ستارے چمکتے رہتے ہیں لہٰذا بغور سنئے!

پہلا نکتہ:۔ حضرات! سب سے پہلے تو اس نکتہ پر غور فرمایئے کہ جب حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ تو مہاجرین و انصار کے ذکر سے پہلے اپنے پیارے نبی کا ذکر فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ **لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ** تاکہ قرآن پڑھنے والے اس نکتہ سے غافل نہ رہیں۔ کہ جب خداوند رحمٰن و رحیم اپنے پیارے رسول کریم ﷺ پر اپنی رحمت کی بارش فرماتا ہے تو عاشقان رسول کو اپنے رسول سے جدا نہیں فرماتا بلکہ اپنے رسول کے جانثاروں کو رسول کی کالی کالی رحمت والی کملی میں پناہ دے کر ان کو بھی اپنی رحمت کے باران کرم سے سیراب فرما دیتا ہے۔ اور اپنے رسول کے طفیل میں ان کو بھی اپنے انعام و اکرام کی لازوال دولتوں سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کہ مہاجرین و انصار کون ہیں؟ ارے یہ مدنی دربار کے وہ وفا شعار عشاق اور جاں نثار فدائی ہیں کہ اگر ان کو رحمت عالم کی شمع نبوت کا پروانہ کہہ دیا جائے تو یہ بھی حقیقت سے کچھ کم ہی ہوگا اور اگر ان کو رسول کے عشق و محبت کے زندہ مجسموں سے تعبیر کر دیا جائے تو ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہوگا جو آفتاب نصف النہار کی طرح عالم آشکار ہے۔

برادران اسلام! یاد رکھئے کہ رحمت عالم کے ان عاشقوں پر خداوند عالم کا اتنا پیار ہے کہ ہم

اور تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ خود نبی رحمت کو اپنی امت سارے جہان سے زیادہ پیاری ہے اور اپنے پیارے کی ہر چیز پیاری ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا جب رسول خدا کو پیارے ہیں اور امت رسول کو پیاری ہے تو پھر ضروری ہے کہ رسول کی امت بھی خدا کو پیاری ہو گی۔ اس لئے خدا کی رحمت اور اس کے پیار نے گوارا نہیں فرمایا کہ نبی رحمت کے پیارے مہاجرین و انصار کو رحمتہ للعالمین سے جدا فرمائے۔ اس لئے رب العالمین نے انصار و مہاجرین کی مدح و ثنا کے خطبہ کو اپنے پیارے رحمتہ للعالمین کے ذکر سے شروع فرمایا اور پہلے نبی کا ذکر فرما کر اس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمادی کہ انصار و مہاجرین ہوں، یا قیامت تک آنے والے دوسرے مومنین ہوں جن جن پر رحمت الٰہی اپنے باران کرم کی بارش فرماتی ہے۔ سب نبی رحمت کے طفیل ہی میں نوازے جاتے ہیں۔ بغیر رسول کے واسطہ اور وسیلہ کے نہ کسی کو کچھ ملا ہے۔ نہ کسی کو کچھ ملے گا۔ سبحان اللہ! اس میں کیا شک ہے؟ کون مسلمان نہیں جانتا کہ ؎

مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل

منظور نور اوست دگر جملگی ظلام

یعنی ہر انعام و اکرام سے مقصود حضور ہی کی ذات ہے۔ باقی سارے جہان میں جس کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ حضور ہی کے طفیل میں ملتا ہے اور سارے جہان میں ہر طرف حضور ہی کے نور کی جلوہ گری ہے۔ اس نور کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اندھیرے اور تاریکی کے سوا کچھ بھی نہیں!

مولانا آسی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

جو شے تری نگاہ سے گزرے درود پڑھ

ہر جزو کل ہے مظہر انوار مصطفیٰ

بہر کیف انصار و مہاجرین چونکہ رحمت عالم کے عاشقوں کی فہرست میں صف اول کا مقام رکھتے ہیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ان کی مدح و ثناء کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فرما کر ان عاشقوں کو اپنے محبوب کے دامن رحمت میں قرب اور وصال کی جنت کا مکین بنا دیا۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟

یہ پروانے ہیں شمع بزم حرا کے	فدائے نبی، اور مقرب خدا کے
نمونے ہیں یہ سیرت مصطفیٰ کے	یہ پتلے وفا کے یہ پیکر حیا کے

مہاجر ہیں، انصار دین مبیں ہیں
یہ سب جاں نثار رسول امین ہیں

دوسرا نکتہ:۔ حضرات! اسی طرح اس نکتہ کو فراموش نہ فرمایئے کہ اس آیت میں انصار و مہاجرین کے بے شماز فضائل و مناقب میں سے اس مقام پر صرف ان کی ایک صفت کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ **الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ** یعنی انصار و مہاجرین نے مشکل کی گھڑی میں رسول کا ساتھ دیا۔

برادران ملت! انصار و مہاجرین کی یہی وہ بلند پایہ ایمانی سیرت ہے جس پر تمام ایمانی کمالات کی بنیاد ہے۔ کیونکہ رسول کی سچی اتباع کے بغیر ایمانی کمالات کے تکمیل ممکن ہی نہیں ہے اور یاد رکھئے کہ آرام و راحت میں رسول کا ساتھ دینا، اور ان کا اتباع تو بہت آسان ہے۔ مگر کٹھن اور مشکل گھڑیوں میں جبکہ آلام و مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ وفادارانہ اتباع اور پیروی بڑا ہی مشکل کام ہے۔ آپ پہلے سن چکے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں سواریوں کی قلت، راشن کی کمی، پانی کی نایابی، موسم کی شدت، سفر کی درازی غرض مصائب و شدائد کا ایک طوفان تھا مگر ان ہوش ربا اور روح فرسا حالات میں بھی کسی کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ یہ ہے **الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ** کی تفسیر۔ کہ مہاجرین، انصار اپنے رسول کے ایسے وفادار اور جاں نثار تھے کہ ایسی مشکل کی گھڑی میں بال برابر بھی اتباع رسول کی راہ سے ہٹنا گوارا نہیں کیا۔ اور ان تمام تکالیف و مصائب کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ کیوں نہ ہو؟ کہ خود ہادیٔ اکرم ﷺ کے پیغمبرانہ عزم و استقلال کا یہ عالم تھا کہ

بنائے آسماں بھی جس زمین پر ڈگمگاتی تھی
محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
خوشی تھی فتح سے ان کو، نہ کوئی غم ہزیمت کا
مثال عرش قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا
فلک نے بارہا انسان کو جنگ آزما پایا
نہ قائم اس طرح کوئی محمد کے سوا پایا

غرباء امت کے شاہکار:۔ حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ قوم مسلم کا یہی مزاج ہے کہ

مشکلات و مصائب کی گھڑیوں میں اس قوم نے جو شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ فراخی و خوشحالی کے دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اگر آپ قوم مسلم کی روایات و تواریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو آپ پر روز روشن کی طرح یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ غرباء مسلمین نے جو اسلامی خدمات کے ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ وہ امراء و سلاطین سے نہیں ہو سکے۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کی سرزمین میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری جن کا کل سرمایہ ایک جوڑا کپڑا، ایک کمبل، ایک عصا، ایک مصلیٰ، ایک لکڑی کے پیالے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر اس بے تاج بادشاہ نے اور اس جیسے دوسرے درویشوں نے اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں اور ان پاکبازوں کی ذات سے جس قدر ہندوستان میں اشاعت اسلام ہوئی ہے وہ نہ سلطان قطب الدین ایبک، سلطان غیاث الدین بلبن، سلطان شمس الدین سے ہو سکی نہ شہاب الدین غوری یا علاؤالدین خلجی، یا ظہیر الدین بابر، یا جہانگیری و شاہجہان کا سلطانی جاہ و جلال یہ خدمت انجام دے سکا۔

اور آج بھی ہم اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ امت مسلمہ کے غریبوں کو جو اسلامی خدمت سے شغف اور والہانہ لگاؤ ہے وہ مالداروں کو نہیں ہے۔ بالکل سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے۔

آ کے مسجد میں جو ہوتے ہیں صف آراء تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

حضرات! اسی طرح ڈاکٹر اقبال نے قوم مسلم کے امیروں اور غریبوں کی تواریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ایک جگہ اپنے تاثر کا جس انداز میں اظہار کیا ہے وہ ہمارے لئے بڑی عبرت کا سامان ہے۔ انہوں نے امیری اور فقیری کا مقابلہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔ سنئے ۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات

جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں
سب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوالِ بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری بھی مری کم سکندری سے نہیں
جہاں میں جوہر اگر میرا آشکارا ہوا
قلندری سے ہوا ہے، سکندری سے نہیں

مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دنیا میں مال و زر کی اس لحاظ سے بڑی اہمیت ہے کہ ان سے سب ضروریات پوری ہوا کرتی ہیں۔ مگر پھر بھی فقیری میں ایک مرد مومن جو اسلامی کارنامے انجام دیا کرتا ہے۔ امیری اور مالداری میں وہ کارہائے نمایاں میسر نہیں ہوا کرتے۔ اس لئے میرا نظریہ یہی ہے کہ اگرچہ میری قوم غربت اور فقیری کا شکار ہے۔ لیکن اگر اس قوم کے نوجوان اسلامی جسارت اور انتہائی غیرت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں تو مسلم قوم کی قلندری اور فقیری بھی طاقت و قوت میں سکندری اور بادشاہی سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام کا یہی فیصلہ ہے کہ اسلام کا جوہر جہاں بھی اور جس قدر بھی آشکارا ہوا ہے وہ مسلمان قوم کے غرباء اور فقراء کے فقر و فاقہ کی روحانی طاقت ہی سے ہوا ہے۔ قوم مسلم کے تونگروں اور سکندروں نے، بادشاہوں اور شہنشاہوں نے اپنے تخت و تاج اور خزائن و اموال کے باوجود کبھی بھی اسلامی عظمتوں کے فروغ کے لئے اپنی توانائیوں کا وہ جوہر نہیں دکھایا جو بوریا نشین فقیروں کی روحانی طاقتوں نے دنیا والوں کو دکھلا دیا۔ اور دنیا والوں نے دیکھ لیا۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی اک نگاہ میں ہے

دوستو اور بزرگو! یہ درست ہے کہ تخت و تاج کی طاقت اور مال و زر کی قوت اپنی جگہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے۔ مگر ایک مسلمان کی روحانی طاقت اپنی عظمت کے لحاظ سے اتنی بلند ترین منزل پر ہے کہ اس کی ٹھوکروں سے بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے تخت و تاج پامال ہو جایا کرتے ہیں۔ مسلمانو! تم ایک مرد مومن کے اسلامی فقر کی جہانگیری طاقت کو کیا

سمجھتے ہو؟ یہ وہ نا قابل تسخیر طاقت کہ تاریخ اسلام بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے کھیلنے جاتے تھے ایوانِ گہ کسریٰ میں شکار
اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار
یہ اسی کی تھی کرامت کہ عرب کے رہزن فاش کرنے لگے جبریل امین نئے اسرار
وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار

یہ ہے وہ قوت پرزور کہ جس کی ٹکر
سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشت غبار

لہٰذا اے غریب مسلمانو! تم اپنی اس غریبی میں انصار و مہاجرین کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو۔ اور اپنی مفلسی اور فقیری میں اتباع رسول کا وہ نمونہ پیش کرو جو انصار و مہاجرین نے رومیوں کی بے پناہ عسکری طاقت کے سامنے پیش کر کے ان کے مسلم کش عزائم کے پہاڑوں کو پاش کر کے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں کا غبار راہ بنا کر چھوڑ دیا اور تم اپنی غریبی سے ہرگز ہرگز کبھی نہ مایوس رہو۔ نہ گھبراؤ۔ مفلسی اور غریبی تو اسلامی عظمت کے حسین چہرے کا غازہ ہے۔ فقر و فاقہ تو تمہارے قصر اسلامی کی زینت و رونق ہے۔ بے سر و سامانی تو تمہارے پرچم اسلام کی شان و شوکت کا امتیازی نشان ہے۔ بس ضرورت اس کی ہے کہ تم انصار و مہاجرین کے نقش قدم پر چل پڑو۔ یعنی ؎

ایک طرف تیغ بکف ایک طرف سر بسجود
پھر ضرورت ہے انہی بے سر و سامانوں کی

تیسرا نکتہ:۔ بہرکیف اب اس آیت کا آخری نکتہ اور سن لیجئے۔ یہ تو میں آپ کو سنا چکا کہ اسی (80) آدمیوں نے جھوٹ بول کر رسول خدا کو دھوکہ دیا۔ مگر رسول برحق نے ان میں سے کسی پر خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ لیکن حضرت کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سچ بول کر رسول برحق کے سامنے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ تو یہ تینوں عتاب کے ایسے شدید امتحان میں جھنجھوڑ دیئے گئے کہ خدا کی لمبی چوڑی زمین ان لوگوں کے لئے تنگ ہو گئی۔ اور یہ لوگ اپنی جانوں سے تنگ آ گئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کہ اسی (80) آدمی جھوٹ بولے تو ان پر کوئی ناراضگی نہیں ہوئی اور تین آدمی جو سچ بولے وہ اس قدر

شدید عتاب کے ابتلائے عظیم ڈال دیئے گئے کہ ان کی مصیبتوں کے تصور سے کلیجہ منہ کو آجاتا ہے اور بدن کا رونگٹا رونگٹا کانپ اٹھتا ہے۔

برادران ملت! یہ اس لئے کہ اسی (80) آدمی جو جھوٹ بولے وہ چھپے ہوئے منافق تھے اور یہ تین آدمی جو سچ بولے مخلص مومن تھے۔ وہ اسی (80) اللہ و رسول کے دشمن تھے۔ اور یہ تین اللہ و رسول کے دوست تھے اور یاد رکھئے کہ عتاب دوستوں پر ہوا کرتا ہے۔ دشمنوں پر عتاب نہیں ہوا کرتا ہے۔ امتحان اپنوں کا ہوا کرتا ہے غیروں کا نہیں۔ اور پھر جو جس قدر پیارا ہوتا ہے اسی قدر بڑے امتحان میں ڈالا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا ایک حدیث میں ارشاد ہے اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یعنی خداوند قدوس کی یہ آیت کریمہ ہے کہ وہ اپنے سب سے زیادہ پیارے اور محبوب بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو سب بڑی آزمائش اور سب سے سخت امتحان میں ڈالتا ہے پھر ان کے بعد جو جس درجے کا ہوتا ہے اس کو اسی درجے اور مراتب کے لحاظ سے قسم قسم کے امتحانوں میں مبتلا فرماتا ہے!

مسلمان اور امتحان:۔ حضرات! اس دستور خداوندی سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان قوم جو بار بار طرح طرح کے آزمائشوں اور قسم قسم کے امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ خصوصاً خدا کے نیک اور صالح بندے جو ابتلاء و آزمائش کی کٹھن ساعتوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ یہ دربار خداوندی میں اس قوم کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک بہت ہی بڑی دلیل ہے۔ اس لئے مسلمان جو دن رات مصائب و آفات کے شکوے شکایات کرتے رہتے ہیں وہ در حقیقت اس دستور خداوندی سے ناواقف ہیں۔ ابی۔ مسلمان اور امتحان تو لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح گرمی آگ سے جدا نہیں ہو سکتی۔ برف کی ٹھنڈک اس سے چھینی نہیں جا سکتی۔ آفتاب کو اس کی چمک دمک سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک صادق الایمان مسلمان خداوندی امتحان سے بچ نہیں سکتا۔ اور یہ دستور کچھ اسی امت کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ اگلی امتوں کے مومنین کے لئے بھی یہی قانون قدرت رہا ہے۔ چنانچہ ان صحابہ کرام کی تسلی کے لئے جو کفار مکہ کے مظالم کی بھٹیوں میں جل رہے تھے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۔ (بقرہ)

کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تم پر اگلی امتوں کی روداد نہیں آئی۔ انہیں ایسی سخت اور شدت کی تکلیف پہنچی، اور وہ اس طرح جھنجھوڑ دیے گئے کہ کہہ اٹھا رسول، اور اس کے ساتھ والے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔

بہر کیف سچے مسلمان کا امتحان میں مبتلا ہونا یہ دستور خداوندی ہے۔ جی! آپ نے کیا سمجھا؟ کیا مسلمان ہونا کوئی آسان کام ہے؟ جی نہیں۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ:

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

برادران ملت! کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم ناکارہ اور بد عمل قسم کے لوگ ہر دم طرح طرح کے اول فول بولتے اور بکتے رہتے ہیں۔ مگر ارحم الراحمین کی ستاری و غفاری دنیا میں ہم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں فرماتی۔ مگر خاصان خدا، اور مقربین بارگاہ کبریا کا تو یہ حال ہے کہ ایک ذرا سی چوک اور بال برابر لغزش پر مورد عتاب باری ہو جایا کرتے ہیں اور حق جل جلالہٗ ان پر ایسا عتاب فرماتا ہے کہ جس کو سن کر خوف دہراس سے مومن کا دل لرز جاتا ہے!

سو بیویاں اور ایک کچا بچہ:۔ حضرات گرامی! مجھے اس موقع پر بخاری شریف کی ایک روایت یاد آگئی جو بے انتہا اور عبرت خیز اور نصیحت آموز ہے...... حضرت سلیمان علیہ السلام جو خدا کے ایک برگزیدہ نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت اور بادشاہت دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں اپنی ایک سو بیویوں سے صحبت کروں گا تو میرے ایک سو بیٹے پیدا ہوں گے جو سب کے سب جوان ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ آپ نے انتہائی نیک نیتی اور بے پناہ اخلاص کے ساتھ اپنا یہ ایمانی منصوبہ لوگوں سے بیان فرمایا۔ مگر اس کے ساتھ آپ نے "انشاءاللہ" نہیں کہا۔ تو محض اتنی سی بات خداوند کردگار کا عتاب آپ پر اس صورت میں نمودار ہوا کہ آپ اپنی ایک سو بیویوں کے پاس تشریف لے گئے مگر ایک بیوی کے سوا کوئی حاملہ نہیں ہوئی اور ایک حاملہ بھی ہوئیں تو ان کے شکم سے کچا بچہ

گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں پیدا ہوا!

(بخاری ج 1 ص 487)

مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ ہمارے جیسے گناہگار انسان بار بار "انشاء اللہ" کہنا بھول جاتے ہیں بلکہ کبھی کبھی قصداً بھی چھوڑ رہے ہیں۔ مگر پھر بھی فضل خداوندی ہم ناکاروں پر مواخذہ نہیں فرماتا۔ اور ہمارے منصوبوں اور پالانوں کو اپنے کرم سے کامیاب فرمادیتا ہے۔ مگر خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک مرتبہ انشاء اللہ کہنے کا خیال نہیں رہا تو عتاب خداوندی نے ان کے اس مقدس منصوبہ کو بالکل ہی ناکام بنادیا کیوں؟ اسی لئے تو کہ ہم گناہ گار بھلا بارگاہ خداوندی میں کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ ہم تو خطاو قصور کے پتلے ہیں۔ اور ہمارا بال بال گناہوں کے وبال سے پاپ کا جنجال بنا ہوا ہے۔ ہم بھلا امتحان خداوندی اور عتاب الٰہی کے قابل ہی کہاں ہیں؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ

کریم! اپنے کرم کا صدقہ، لئیم بے قدر کو نہ شرما
رضا سے تو، اور حساب لینا، رضا بھی کوئی حساب میں ہے

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام تو خدا کے عظیم الشان نبی ہیں۔ اس لئے ان کی ذرا سی بات پر عتاب خداوندی ان کے سر اقدس پر جلوہ فگن ہو گیا۔

اور یاد رکھئے کہ یہ محبوبان بارگاہ الٰہی اپنے اوپر عتاب باری کو دیکھ کر اس قدر بے قراری کے ساتھ گریہ وزاری فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں کی گہرائیوں سے نکل کر توبہ واستغفار کے کلمات ان کی مقدس زبانوں پر اس طرح جاری ہو جاتے ہیں کہ رحمت کردگار کا پیار ان اطاعت گزار بندوں پر اس طرح نمودار ہو جاتا ہے کہ ارحم الراحمین ان کو اپنے رضوان و غفران کی آغوش کرم میں سکون و قرار کی وہ جنت بخش دیتا ہے جن پر باغ بہشت کے گلزار بار بار قربان و نثار ہونے کے لئے بے قرار رہتے ہیں!

مومنین و منافقین کا انجام:۔ بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عتاب دوستوں ہی کے لئے ہوا کرتا ہے۔ دشمنوں پر عتاب نہیں ہوتا بلکہ ان پر عذاب ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں پر چونکہ یہ تینوں مومن تھے اس لئے ان پر پچاس دنوں تک تو عتاب رہا۔ مگر اس عتاب کے بعد رحمت خداوندی نے ان تینوں پر اس طرح نوازش فرمائی کہ قرآن میں قیامت تک کے لئے خداوندی شہادت نازل ہو گئی کہ:

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ط

یعنی خداوند تعالیٰ ان تینوں پر بے حد مہربان اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

سبحان اللہ۔ اس سے بڑھ کر کسی انسان پر خداوند قدوس کے انعام واکرام کی نوازش اور کیا ہوگی؟ کہ خدا یہ فرمادے کہ میں اس بندے پر رؤف اور رحیم ہوں۔

اور اسی (80) آدمی جو سب کے سب منافق تھے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔ بلکہ ان پر خداوند قہار و جبار کے قہر و غضب کا عذاب اس طرح اتر پڑا کہ ان کی مکاریوں اور سیاہ کاریوں کا پردہ چاک کر دیا گیا اور وہ دونوں جہان میں انتہائی ذلیل و خوار ہو گئے اور دنیا و آخرت میں قہر قہار اور غضب جبار کے سزاوار ہو کر عذاب نار کے حق دار بن گئے۔ چنانچہ ان منافقوں کے انجام کی داستان، قرآن کی قاہرانہ زبان سے سنئے۔ خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ:

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ط وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

یعنی (جنگ تبوک سے بیٹھ رہنے والے منافقین) تم سے بہانے بنائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو اے محبوب! تم ان سے فرمانا کہ بہانے مت بناؤ۔ ہم ہر گز تمہاری باتوں کا یقین نہ کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہیں خبریں دے دی ہیں۔ اور اب اللہ و رسول تمہارے کام کو دیکھیں گے۔ پھر تم اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے اور وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ط اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ج جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔

اب یہ منافقین تمہارے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔ اس لئے تاکہ تم ان کے خیال میں نہ پڑو۔ تو ہاں تم ان کا خیال چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ تو نرے پلید ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے

جو ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ج فَاِنَّ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یہ منافقین تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم لوگ ان سے راضی ہو جاؤ۔ تو اگر تم لوگ ان سے راضی بھی ہو جاؤ۔ پھر بھی یقیناً اللہ تو ان فاسق لوگوں سے کبھی راضی نہ ہوگا۔

مسلمان بھائیو! سن لیا آپ نے مومنین اور منافقین کا انجام؟ غور فرمایئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ اللہ اکبر! کہاں رحمت الٰہی کے حقدار مومنین؟ اور کہاں قہر خداوندی کے سزاوار منافقین؟ کہاں خدا کے محبوب؟ اور کہاں خدا کے مغضوب؟ کہاں رحمت والے؟ اور کہاں لعنت والے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

برادران ملت! آپ یہ نہ سمجھئے کہ مومنین اور منافقین کا یہ انجام زمانہ رسالت ہی تک محدود ہے۔ نہیں۔ بلکہ یہ ایمان رکھئے کہ قیامت تک آنے والے مومنین و منافقین کا ہمیشہ یہی انجام رہے گا کہ مومنین دونوں جہان میں رحمت خداوندی کی نعمتوں سے سرفراز، اور انعام و اکرام ذوالجلال کی دولتوں سے مالا مال رہیں گے۔ اور منافقین غضب خداوندی کی مار، اور لعنتوں کی پھٹکار سے دنیا و آخرت میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہی رہیں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ

سکینہ حب نبی کا ہو جس کے سینے میں
ہزار حشر ہو، وہ دل دہل نہیں سکتا

خدا کا قہر ہے ان کی نگاہ کا پھرنا
گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

مگر مسلمانو! ہاں یہ اور بات ہے کہ مومنین کو خدا کی بے شمار نعمتوں کا احساس نہ رہے۔ اور منافقین اتنے بے حیا اور بے غیرت بن جائیں کہ ان کو اپنی ذلت و خواری کا کوئی احساس ہی نہ ہو۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ نعمت ہو مگر اس کا احساس نہ ہو۔ اور ذلت ہو مگر اس کا احساس نہ ہو۔

ایک جوتا، ایک پاؤں: غالباً آپ لوگوں نے ایک مولانا صاحب کا قصہ تو سنا ہی ہوگا۔ یہ

عید کے دن عید گاہ جارہے تھے۔ ناگہاں راستے میں ان کا ایک جوتا ٹوٹ گیا۔ مجبوراً ایک ہی پاؤں میں جوتا پہنے چلے جارہے تھے۔ مگر یہ دیکھ کر بہت سے جاہل گنوار دونوں پاؤں میں جوتا پہنے ٹھاٹھ سے عید گاہ چلے جارہے ہیں۔ دل پر ایک چوٹ لگی کہ افسوس ان گنواروں کے تو دونوں پاؤں میں جوتا ہو اور میں ایک عالم ہو کر ایک پاؤں میں جوتا پہنے ہوئے ہوں۔ لیکن چند ہی قدم چلے تھے کہ اچانک یہ دیکھا کہ ایک اللہ کے بندے کا ایک پاؤں کٹا ہوا ہے اور وہ غریب ایک ہی پاؤں سے لاٹھی کے سہارے عید گاہ چلا جارہا ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہیں اس کا ایمانی احساس بیدار ہو گیا اور وہ سجدۂ شکر میں گر پڑے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے کہ خداوندا! میری توبہ قبول فرما۔ میں نے تیری ناشکری کی۔ یقیناً مجھ پر تیرا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ تو نے میرے دونوں پاؤں کو سلامت رکھا ہے۔ ایک جوتا نہیں تو اس کا کیا غم ہے؟ دونوں پاؤں تو سلامت ہیں۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ دونوں پاؤں کا سلامت ہونا بہت بڑی نعمت ہے مگر مولانا کو اس نعمت کا احساس نہیں تھا۔ جب ایک لنگڑے کو دیکھا تو دونوں پاؤں کی سلامتی کتنی بڑی نعمت ہے؟ اس کا احساس ہو گیا۔ تو اپنی ناشکری سے توبہ کر کے سجدۂ شکر میں سر بسجود ہو گئے۔

آخ تھو، آخ تھو:۔ اچھا اب چلتے چلاتے ایک بے غیرت بے حیا کا بھی قصہ سن لیجئے جو اتنا بے غیرت تھا کہ اس کو اپنی ذلت اور بے عزتی کا کبھی احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ سنا ہے کہ ایک نواب صاحب دمہ کے مریض تھے۔ رات بھر کھانستے اور تھوکتے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات ان کے گھر میں ایک چور آ گیا۔ نواب صاحب کو جو کھانسی آئی تو چور چپکے سے نواب کے پلنگ کے نیچے دبک گیا۔ نواب صاحب نے دیکھ لیا کہ چور پلنگ کے نیچے دبکا پڑا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ نواب صاحب رات بھر کھانستے رہے اور چور کے اوپر تھوکتے رہے۔ ”آخ تھو۔ آخ تھو“ نواب صاحب تھوکتے رہے اور چور تھوکواتا رہا۔ صبح ہوتے ہوتے نواب صاحب نے چور کو مارے تھوک کے برف کی سل کی طرح سفید بنا ڈالا۔ صبح کو نواب صاحب کی بیگم جھاڑو لے کر کمرے کی صفائی کے لئے آئیں تو نواب صاحب نے آخ تھو کر کے ایک مرتبہ بیگم کے اوپر بھی تھوک دیا۔ بڑھیا بیگم مارے غصے کے لال پیلی ہو گئی اور تڑپ کر بولی۔ کہ نوج۔ توبہ! تم کیسے موئے بے ہنگم، اور نگوڑے مردوے ہو؟ کہ صبح ہی صبح میرے اوپر تھوک دیا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ہائے افسوس! بیگم۔ تف ہے میری زندگی پر۔ چالیس سال کی میری اور تمہاری میاں

بیوی کی والہانہ محبت ہے مگر افسوس کہ تم میرا ایک تھوک بھی برداشت نہیں کر سکی۔ یہ دیکھو پلنگ کے نیچے میرا صرف رات بھر کا دوست لیٹا ہوا ہے۔ اس نے میرا دو ہزار تھوک برداشت کر لیا اور ہلا تک نہیں۔ اتنے میں چور نکل کر یہ کہتا ہوا بھاگا کہ تھوک پڑا تو کیا ہوا؟ میں کالا کلوٹا تھا اب گورا سفید ہو گیا ہوں۔

مسلمانو! بس یہی حال ہے آج کل کے منافقوں کا کہ گلی گلی پھٹکارے جاتے ہیں مسجدوں سے نکالے جاتے ہیں۔ دنیا بھر کا تھوک پڑتا ہے۔ مسلمان نفرت کرتے ہیں۔ مگر یہ اتنے بڑے بے غیرت اور بے حیاء ہیں کہ پھر بھی یہ اپنے کو اتنا بڑا بزرگ سمجھتے ہیں کہ گویا حضرت غوث پاک سے بس ایک جو بھر چھوٹے رہ گئے ہیں۔ ان ظالموں کا احساس اس قدر مردہ ہو گیا ہے کہ ان کو اپنی ذلت و خواری کا کوئی خیال ہی نہیں رہ گیا!

بہر کیف برادران ملت! میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ جس کے لئے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں مگر امیدوار ہوں کہ آپ میری اس بے ربط اور ٹوٹی پھوٹی تقریر سے عبرت سے نصیحت حاصل کریں گے

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم ٭ تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

وما علینا الا البلاغ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

چھتیسواں وعظ

صحبتِ بد سے بچو

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر
لباس خضر میں یاں سیکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الكريم

اما بعد فقد قال الله تعالیٰ فی کتابه العظیم وخطابه القدیم

اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم

بسم الله الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ج یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ط اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ط تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ق وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَیْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ ط وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۔ اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۔ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ج یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۔ (سورۃ ممتحنہ)

حضرات گرامی! ایک بار باآواز بلند درود شریف کا مبارک وظیفہ پڑھ لیجئے! اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد واصحابه وبارك وسلم۔

برادران ملت! تقریر سے پہلے ایک قطعہ عرض ہے۔

اے عرش نشیں! فرش نشینوں کی خبر لے
افلاک کے سائے میں زمینوں کی خبر لے
طوفان تلاطم کے بہت تیز ہیں دھارے
اسلام کے کمزور سفینوں کی خبر لے

حضرات! تجربات کی دنیا میں تمام عقلاء کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر فاسد کو صالح سے، بد کو نیک سے، برے کو اچھے سے الگ تھلگ نہ کر دیا جائے۔ تو یقیناً فاسد کا فساد، صالح میں اثر انداز ہو کر اس کو بھی فاسد بنا ڈالے گا۔ جس طرح بدن کا کوئی سڑا ہوا عضو اگر

آپریشن کر کے اس کو بدن سے الگ نہ کیا گیا تو پورا بدن سڑ جائے گا۔ اور انگور کے خوشہ میں سے اگر سڑے گلے دانوں کو نہ نکالا گیا تو پورا خوشہ سڑ گل کر خراب و برباد ہو جائے گا۔ بالکل ٹھیک اسی طرح اگر نیک اور صالح لوگوں کا، بدکار لوگوں سے میل جول سے بد عمل اور جرائم پیشہ بن جانا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ کاجل کی کوٹھڑی میں زندگی بسر کرنے والے انسان کے سفید کپڑوں کا داغدار ہو جانا یقینی ہوا کرتا ہے!

برادران ملت! اس مسلمہ حقیقت کا فطری تقاضا یہی ہے کہ اچھے اور برے کو ہمیشہ الگ الگ رکھنا ہی عین حکمت ہے اور اسی میں اچھوں کی صلاح و فلاح کا راز مضمر ہے۔ چنانچہ میں عرض کر چکا کہ انسانی بدن کا کوئی حصہ سڑ گل جائے تو پورے بدن کی سلامتی کی بس ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ بدن کا وہ فاسد ٹکڑا کاٹ کر بدن سے الگ کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر پورے بدن کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔

حضرات! اب یہ بھی ذرا غور سے سن لیجئے کہ جس طرح انسانوں کا شخصی بدن ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کا کوئی ٹکڑا سڑ گل جاتا ہے اسی طرح انسانوں کا ایک جماعتی اور قومی بدن بھی ہوا کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی قومی بدن کے کچھ ٹکڑے، یعنی انسانوں کے کچھ افراد اپنی بدکرداری اور مجرمانہ زندگی کی وجہ سے فاسد، اور سڑے گلے ہوئے انسان مانے جاتے ہیں۔ اب اگر قوم کے ان سڑے گلے ہوئے افراد کو پوری قوم سے الگ تھلگ نہ کر دیا گیا۔ تو ظاہر ہے کہ پوری قوم ان فاسدوں کی بداعمالیوں کے تعفن سے سڑ گل کر تباہ و برباد ہو جائے گی اور قوم کا پورا معاشرہ تہس نہس ہو کر پوری قوم ہلاکت کے غار میں گر کر اپنے قومی وجود سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گی!

برادران ملت! یہی وجہ ہے کہ ہر قوم و ملت کے انسانوں نے اپنے دستور زندگی میں یہ دفعہ ضرور رکھی ہے کہ جو شخص ان کی سوسائٹی کے قوانین سے بغاوت کرے گا۔ اس کے خلاف تادیبی کارروائی ضرور کی جائے گی۔ چنانچہ جس طرح بالکل ہی غیر متمدن اقوام کی پنچائتیں اپنے مجرموں کے خلاف کارروائی کر کے ان کو کاٹ باہر اور برادری سے خارج کر دیتی ہیں۔ اسی طرح تہذیب و تمدن کی بلند چوٹیوں پر بسنے والے متمدن انسانوں کی بڑی بڑی جماعتوں نے بھی طریقہ کار رکھا ہے کہ اگر ان کی جماعت کا کوئی ممبر ان کے جماعتی قوانین کے اصولوں کے خلاف کوئی کام کر بیٹھتا ہے تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کر کے اس کو اپنی جماعت سے نکال

باہر کر دیتے ہیں۔

الغرض فطرت سلیمہ، اور حکمت و مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اچھوں اور بروں کو ہمیشہ میل جول سے بچانا انتہائی ضروری ہے تاکہ برے انسانوں کی برائیوں کا فساد، اچھے اور نیک و صالح انسانوں کو خراب اور فاسد نہ بنادے!

برادران ملت! سورۂ ''ممتحنہ'' کی آیات مبارکہ جو میں نے خطبہ کے بعد آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ یہ آیات اسی حکیمانہ فیصلہ کی آئینہ دار ہیں۔ جس میں خداوند عالم نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ مطلب یہ ہے کہ مومنین اللہ کے دوست ہیں اور کفار اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہیں اور مومنین کے بھی دشمن ہیں۔ لہٰذا اے ایمان والو! تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ ان سے میل جول رکھو۔ ان کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ بلکہ ان کی محبت اور صحبت کو سم قاتل اور زہر ہلاہل سمجھ کر ان سے الگ تھلگ رہو۔ اے ایمان والو! تم صالح ہو، وہ فاسد ہیں۔ تم نیک ہو، وہ بد ہیں۔ تم اچھے ہو، وہ برے ہیں۔ تم اللہ کے دوست ہو، وہ اللہ کے دشمن ہیں اور صالح کو فاسد سے، نیک کو بد سے، اچھے کو برے سے، اللہ کے دشمن کو اللہ کے دوست سے الگ رکھنا۔ یہ معاشرہ اور سوسائٹی کی صلاح و فلاح کے لئے ایک ایسا حکیمانہ فیصلہ اور فطری فلسفہ ہے جس پر تمام عالم کے عقلا کا اتفاق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مغرب ہو یا مشرق یورپ ہو یا ایشیا، امریکہ ہو یا روس ہر ملک و ملت کے دانشوروں اور عقلمندوں کا نہ صرف نقطہ نظر بلکہ طریقہ عمل بھی یہی ہے کہ کسی پارٹی یا جماعت کے دستور اساس اور آئین و قوانین سے بغاوت کرنے والے ممبروں کے خلاف تادیبی کارروائی اور ان کا جماعت اور پارٹی سے اخراج و بائیکاٹ ضروری سمجھا جاتا ہے اور تاوقتیکہ باغی افراد سچے دل سے تائب ہو کر آئین و قوانین کا احترام کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا نہ ہو جائیں ہرگز ہرگز ان کو پارٹی کا ممبر نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح پارٹی کے ممبروں کو مخالف پارٹیوں کے نظریات قبول کرنے سے روکنا بھی ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے پارٹی کا نظام درہم برہم اور انتشار کا شکار ہو جائے گا بلکہ پارٹی کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔

برادران ملت! ٹھیک اسی ڈھنگ پر آپ سمجھ لیجئے کہ پوری مسلمان قوم ایک جماعت اور پارٹی کے مثل ہے اور قوانین اسلام اس جماعت اور پارٹی کے وہ دستوری آئین و قوانین ہیں کہ

جن کا احترام اور ان پر عمل پوری قوم مسلم کے لئے واجب التعظیم اور لازم العمل ہے۔ لہٰذا مسلمان قوم کا جو فرد بھی قوانین اسلام سے بغاوت کرے گا اس کے خلاف تادیبی کارروائی اور اس کی جماعت سے اخراج اور بائیکاٹ ضروری ہے تاکہ اس کے فساد کے جراثیم جماعت کے صالح افراد کو فاسد نہ کر سکیں۔

تکفیر:۔ حضرات! یہی وہ تادیبی کارروائی ہے جس کو عالموں اور مفتیوں کی اصطلاح میں "تکفیر" (کفر کا فتویٰ لگانا) کہا جاتا ہے۔ یعنی "مسلم" اور "کافر" دو جماعتیں ہیں۔ "مسلم" وہ جماعت ہے جو قوانین اسلام کی معتقد اور اس پر عامل ہے اور "کافر" وہ جماعت ہے جو قوانین اسلام کی منکر اور مخالف ہے لہٰذا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے جو شخص قوانین اسلام سے بغاوت کرے گا پوری مسلم جماعت کا فرض ہے کہ اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرے اور اس کو مسلم جماعت سے خارج کر کے اس کے بارے میں اعلان کر دے کہ چونکہ یہ شخص قوانین اسلام کا باغی ہے لہٰذا یہ مسلم جماعت سے نکل کر غیر مسلم جماعت میں داخل ہو گیا۔ جس کا دوسرا نام "کافر" ہے۔

برادران ملت! یہ ہے "مسئلہ تکفیر" اور کسی شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے کی حقیقت "تکفیر" کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو کافر بنا دیا گیا۔ بلکہ کوئی مسلمان قوانین اسلام سے بغاوت کر کے کافروں کی جماعت میں داخل ہو جائے تو اس کے کفر کے اعلان، اور اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا نام "تکفیر" ہے اور وہ یہ طریقہ عمل ہے جو ہر ملک و ملت کی جماعتوں کا نظریہ فکر اور لائحہ عمل ہے!

لفظ کافر گالی نہیں ہے:۔ مسلمان بھائیو! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ لفظ "کافر" ہرگز ہرگز کوئی گالی کا لفظ نہیں ہے بلکہ جس طرح کانگریس، کمیونسٹ، جن سنگھ، یہ چند جماعتیں اور پارٹیاں ہیں اور ان سب پارٹیوں کے کچھ بنیادی اصول ہیں اور دستوری قوانین ہیں اور جو جو شخص جس جماعت کے آئین و قوانین کا پابند رہتا ہے وہ اس جماعت کا ممبر تصور کیا جاتا ہے اور جو شخص کسی جماعت کے آئین و قوانین کو ٹھکرا کر کسی دوسری جماعت کے آئین و قوانین کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے تو وہ قدرتی طور پر ایک جماعت سے نکل کر دوسری جماعت کا ممبر بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک کانگریسی اگر کانگریس کے بنیادی اصولوں سے بغاوت کر کے کمیونسٹ جماعت کے اصولوں کو قبول کر لے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص کانگریس کی جماعت سے نکل کر

کمیونسٹ جماعت میں چلا گیا ہے۔ تو جس طرح کانگریسی ہونا یا کمیونسٹ ہونا یہ کوئی گالی نہیں ہے۔ اس طرح مسلم جماعت سے نکل کر غیر مسلم جماعت میں چلے جانے والے کو "غیر مسلم" یا "کافر" کہنا کوئی گالی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ اس کے نظریات کے اعلان کا ایک قومی نام اور جماعتی نشان ہے!

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نیک اور بد، اچھے اور برے انسانوں کے درمیان ایک خط فاصل کھینچ کر دونوں کو جدا جدا اور الگ الگ کر دینا۔ یہ ایک ایسا متفق علیہ فطری فلسفہ ہے جس پر متمدن دنیا کے نظام کا دارومدار ہے۔ چنانچہ قرآن عظیم نے سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیتوں میں اسی حکیمانہ فلسفے کی تعلیم و تلقین فرمائی ہے۔

شان نزول:۔ میرے بزرگو اور بھائیو! اب ان مقدس آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر سنانے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان آیتوں کی شان نزول، اور ان کے نازل ہونے کا سبب آپ کو سنا دوں۔ تاکہ ان آیتوں کے شان نزول کا پس منظر اور پورا ماحول آپ کی نظروں کے سامنے آ جائے اور آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ وہ کون سے اسباب و محرکات ہیں جن کی بناء پر حضرت حق جل مجدہٗ نے ان آیتوں کو نازل فرمایا؟

حضرات! ان آیات مقدسہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ خاندان بنی ہاشم کی ایک لونڈی جس کا نام "سارہ" تھا یہ مکہ مکرمہ سے سفر کر کے مدینہ منورہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور یہ وہ وقت تھا کہ حضور سرور عالم ﷺ مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کے لئے جہاد کا سامان فرما رہے تھے لونڈی کو دیکھ کر رحمت عالم نے دریافت فرمایا کہ کیا تُو نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ لونڈی نے عرض کیا کہ نہیں۔ رحمت عالم نے فرمایا کہ پھر تیرے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ لونڈی نے جواب دیا کہ میں اپنی تنگدستی اور محتاجی سے پریشان حال ہو کر یہاں آ گئی ہوں۔ لونڈی کا حال زار سن کر خاندان بنی ہاشم کے دردمندوں کا دل بھر آیا۔ اور ان لوگوں نے دل کھول کر ہر طرح اس کی امداد و اعانت کی۔ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی جب اس لونڈی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی اس کو دس دینار اور ایک چادر عنایت کی اور ساتھ ہی ایک خط بھی اہل مکہ کے پاس اس لونڈی کی معرفت بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

"حضور ﷺ مکہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لینے کا ارادہ فرما رہے۔ لہٰذا تم

لوگ اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے وہ کر لو۔"

لونڈی نے اس خط کو اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپالیا اور سارا سامان لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرات! لیکن ابھی یہ لونڈی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند میل ہی دور گئی کہ خداوند جل وعلا نے اپنے محبوب ﷺ کو وحی کے ذریعے اس خط کے مضمون سے مطلع فرمادیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے چند جاں نثار صحابہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قیادت میں اس لونڈی کی گرفتاری کے لئے روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے "روضہ خاخ" کے مقام پر پہنچ جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس عورت سے لے لو اور اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ حضرات روانہ ہو گئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا جہاں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اس عورت سے خط طلب کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور قسم کھا کر کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے مگر شیر خدا نے تڑپ کر فرمایا خبردار! میرے آقا کا فرمان ہرگز ہرگز کبھی بال برابر بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ دھمکی دے کر عورت کو ڈرایا اور فرمایا تم خط دے دو ورنہ ہم تم کو بالکل برہنہ کر کے تمہاری تلاشی لیں گے۔ جب عورت کو یقین ہو گیا کہ میرا کوئی حیلہ بہانہ کامیاب نہیں ہو سکتا تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کے دے دیا۔

حضرات! جب صحابہ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر یہ خط پیش کیا تو رحمت عالم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ اے حاطب! یہ کیا ہے؟ اور تمہارے اس خط کا کیا مقصد ہے؟ حضرت حاطب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے مجھے حضور کی نیاز مندی کا شرف حاصل ہوا۔ کبھی میں نے کوئی خیانت نہیں کی۔ اور جب سے میں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ایک لمحہ کے لئے بھی مکے والوں کی محبت میرے دل میں نہیں آئی۔ لیکن اس خط کا مقصد یہ ہے کہ یا رسول اللہ! نہ تو میں خاندان قریش میں سے ہوں نہ قبیلہ قریش میں میرا کوئی رشتہ دار ہے۔ میرے سوا جتنے مہاجرین ہیں سب لوگوں کے مکہ میں رشتہ دار موجود ہیں جو ان کے گھربار کی حفاظت و نگہداشت کرتے رہتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر والوں کی بڑی فکر تھی کہ مکہ میں کوئی بھی

میرے بال بچوں کی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے یہ چاہا کہ مکہ والوں پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں۔ اسی خیال سے یہ خط میں نے مکہ والوں کے نام لکھ دیا ہے۔ اور یا رسول اللہ! میں پورے یقین کے ساتھ اس بات کو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور مکہ والوں کو عذاب دے گا اور ضرور مکہ فتح ہو جائے گا اور میرا یہ خط ہرگز ہرگز ان کو نہ بچا سکے!

حضرات! رحمت عالم ﷺ کا دل رحمت کا سمندر تھا جو اپنے جاں نثاروں کی محبت سے لبریز تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا یہ عذر سن کر آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اپنے جذبات ایمان کے پرجوش طوفان پر قابو نہ رکھ سکے اور انتہائی غیظ و غضب میں بھرے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی تلوار سے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عمر کا یہ جملہ سن کر رحمت عالم نے فرمایا کہ اے عمر! تمہیں کیا خبر؟ یہ حاطب بن ابی بلتعہ ان مجاہدین اولین میں سے ہے جو جنگ بدر میں اپنی سرفروشی کے جوہر دکھا چکا ہے اور دربار الٰہی میں مجاہدین بدر کی خدمات جلیلہ کی یہ قدر و منزلت ہے کہ اس رب کریم نے تمام مجاہدین بدر سے یہ فرما دیا ہے اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ یعنی تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ اللہ اکبر رحمت عالم ﷺ کی یہ ولولہ انگیز اور رقت خیز تقریر سن کر حضرت فاروق اعظم اس قدر متاثر ہوئے کہ جوش گریہ سے آنسوؤں کی دھار ان کے رخسار پر بہنے لگی اور وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اور عین اسی حالت میں رب العالمین نے حضرت جبریل امین کو روئے زمین پر بھیجا اور فرمایا کہ اے جبریل! تم سورۂ "ممتحنہ" کی ابتدائی آیات میرے حبیب فخر کائنات ﷺ کو میری طرف سے سنا دو! (کنزالایمان و بخاری جلد 1 ص 422)۔

ترجمہ آیات:۔ حضرات گرامی! اب آپ انتہائی گوش ہوش کے ساتھ ان مقدس اور لرزہ بر اندام کرنے والی آیتوں کا ترجمہ سنئے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ

اے ایمان والو! تم لوگ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ

تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی کے ساتھ حالانکہ وہ منکر ہیں اس دین

بر حق کے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَإِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ.

یہ لوگ رسول کو اور تم لوگوں کو اس بناء پر گھروں سے نکالتے ہیں کہ تم لوگ اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَاداً فِي سَبِيْلِي وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ صلے وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ ط

اے مسلمانو! اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان کافروں سے دوستی مت کرو تم ان لوگوں کے پاس خفیہ طور پر محبت کا پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا۔

وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ.

اور تم میں سے جو ایسا کرے وہ سیدھی راہ سے بہکا۔

اِنْ يَثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ.

اگر یہ کفار تمہیں پا جائیں تو یہ تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو برائی کے ساتھ دراز کریں گے اور کافروں کی تمنا ہے کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ ج يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ج يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ.

ہرگز ہرگز کچھ کام نہ آئیں گی تمہاری رشتہ داریاں اور نہ تمہاری اولاد۔ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ تمہیں الگ الگ کر دے گا۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے!

برادران ملت! آیات مبارکہ کا سبب نزول اور ترجمہ میں آپ کو سنا چکا۔ اب اگر آپ نے ان آیتوں کا ترجمہ بغور سنا اور سمجھا ہے تو آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ایک مسلمان کے

لئے ہر گز ہر گز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کفار و مشرکین کو اپنا دوست بنا کر ان کو اپنا قومی و ملی راز بتائے۔ کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جب کفار مکہ کے نام ایک خط لکھ کر مسلمانوں کا ایک قومی و ملی راز کافروں کو بتا دیا تو باوجود صحابی اور مجاہد بدر ہونے کے عتاب خداوندی نے انہیں نہیں چھوڑا۔ بلکہ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ کی خطرناک وعید اور خوفناک تہدید سے ان کو اس طرح جھنجھوڑا کہ ان کے دامن تقدس کو داغدار، اور ان کی اسلامی زندگی کے حسین چہرے کو عیب دار بنا دیا تو پھر بھلا ہم اور تم گناہگار کس شمار و قطار میں ہیں۔

عداوت کفار کی بنیاد:۔ برادران ملت! پھر ذرا غور فرمایئے کہ ان آیتوں میں يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار کی دشمنی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ چونکہ رسول اور مومنین اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں۔ اس لئے کفار ان کی دشمنی پر کمر باندھ کر ان کو گھروں سے باہر نکالنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کفر کا مزاج ہی یہ ہے کہ جب تک مسلمان اپنے ایمان پر قائم رہیں گے۔ ہر گز ہر گز کفار کبھی مسلمانوں کی دوستی پر تیار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہمیشہ کفار مسلمانوں سے بیزار اور ان کے دشمن خونخوار بنے رہیں گے۔

حضرات گرامی! اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار اور ایماندار مسلمانوں کی دشمنی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اسی لئے رب العزت جل جلالہٗ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ یعنی اے ایمان والو! تم ان کافروں کو جو میرے اور تمہارے دشمن ہیں ان کو دوست مت بناؤ۔ کیونکہ تمہاری اور کفار کی دشمنی دینی و ایمانی دشمنی ہے اور خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ۔

ہزار دشمنیوں کا زوال ممکن ہے
مگر عداوت دینی کہ وہ نہیں جاتی

چنانچہ خداوند قدوس کا فرمان آپ سن چکے کہ:

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ۔

یعنی اگر کفار تم مسلمانوں کو پا جائیں گے تو یہ کہیں بھی ہوں۔ کسی حال

میں بھی ہوں۔ تمہارے دشمن ہی رہیں گے اور یہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو تمہاری بدخواہی اور برائی میں ہمیشہ دراز ہی کرتے رہیں گے۔

مسلمانو! اس آیت کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ "اسلام سے عداوت اور مسلمانوں سے دشمنی" یہ کفار کی وہ فطرت ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی۔ جس طرح بچھو اپنی نیش زنی سے کبھی باز نہیں رہ سکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ڈنگ مارنا بچھو کی فطرت ہے ۔

نیش عقرب نہ از پئے کیں است
مقتضائے طبیعتش ایں است

یعنی بچھو اس لئے نہیں ڈنگ مارتا کہ تم نے اس کو ستایا ہے یا اس کے دل میں تمہارا کینہ بھرا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تو دوست دشمن، اپنے پالنے والے، اور ہلاک کرنے والے سبھی کو اس لئے ڈنک مارتا ہے کہ ڈنگ مارنا اس کی پیدائشی خصلت اور اس کی طبیعت کا فطری تقاضا ہے بالکل اسی طرح کفار مسلمانوں کو اس لئے نہیں ستاتے کہ مسلمانوں نے ان کا کچھ بگاڑا ہے بلکہ اس لئے یہ مسلمانوں کو اپنے ہاتھ اور زبان و قلم سے ایذائیں پہنچاتے ہیں کہ مسلم دشمنی ان کافروں کی فطرت ہے اور یاد رکھو کہ مثل مشہور ہے کہ "جبل ٹل سکتا ہے جبلت نہیں ٹل سکتی۔" یعنی پہاڑ تو اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر انسان کی عادت نہیں بدل سکتی!

کفار کی فطرت:۔ برادران ملت! "مسلم دشمنی" کفار کی فطرت ہے۔ ذرا اس کو قرآن کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ رب العزت جل جلالہٗ کا مقدس فرمان ہے کہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ

یعنی اے ایمان والو! غیروں کو یعنی کفار و مشرکین اور منافقین وغیرہ کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے کہ تمہیں ایذاء پہنچے یہی ان کے دلوں کی آرزو ہے۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ

بلاشبہ ان کے منہ سے نکلی باتوں سے دشمنی ظاہر ہو چکی ہے اور وہ جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بہت بڑی دشمنی ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ.

ہم نے نشانیاں کھول کر تمہیں سنادی ہیں بشرطیکہ تم ان کو سمجھو۔

ہٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ج

خبردار! اے مسلمانوں! تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہو۔ مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ حالانکہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو۔

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ج وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ط قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ.

(ال عمران)

اور جب وہ تم مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم مسلمانوں پر مارے غصے کے انگلیاں چباتے ہیں۔ اے حبیب! تم فرمادو کہ اے کافرو! تم اپنی گھٹن میں مر جاؤ۔ اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔

برادران اسلام! سورۂ آل عمران کی یہ چند آیتیں میں نے بطور نمونہ کے آپ کو سنادی ہیں۔ ورنہ اس مضمون کی سینکڑوں آیتیں صفحات قرآن میں ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہیں اور یہ آیتیں ایمان والوں کے لئے ہدایت کا نور ہیں۔ اور ان سیاسی مولویوں کے لئے بہت ہی بڑا تازیانہ عبرت ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کا کھوکھلا اور گمراہ کن نعرہ لگا کر خود بھی گمراہی کے گہرے اور گندے گڑھے میں گرتے ہیں اور بندگان خدا کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ملے جلے تہوار منانے مسلم و غیر مسلم کے درمیان شادیاں کرنے، مشترکہ کوڈبل، وغیرہ زہر ہلاہل پر "قومی یکجہتی" یا "قومی دھارے سے بہنے" کی شکر چڑھا کر مسلمانوں کی ایمانی روح کو فنا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور یہ ملت فروش مولوی گونگے شیطان کی طرح خاموش بلکہ پورے جوش و خروش کے ساتھ کفار کی ان گندی اور گھناؤنی حرکتوں کے پردہ پوش بنے ہوئے ہیں۔ واللہ! کیا خوب کہا ہے شفیق جونپوری مرحوم نے ان سیاسی کھدر دھاری مولویوں کے بارے میں۔

عجب حال ہے امت کے ناخداؤں کا
خیال ہے وطنیت کے دیوتاؤں کا

لباس جسم پہ ہے ہاشمی عباؤں کا
دماغ پر ہے اثر مغربی ہواؤں کا
کبھی وطن، کبھی مزدور، یا کسان کا غم
نہ فکر شام و فلسطین ہے، نہ یاد حرم

لطیفہ:۔ حضرات! یہ تو بہت پرانا طریقہ ہے کہ زہر پر شکر چڑھا کر، انہیں میٹھی گولیوں کے نام پر کھلا کھلا کر ہزاروں لاکھوں کا خون کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح خراب اور گھٹیا چیزوں کو بہت ہی خوبصورت اور شاندار نام رکھ کر مارکیٹ میں فروخت کیا جاتا ہے۔ آپ کبھی کسی عطار کے دواخانے پر جا کر دواؤں کے ڈبوں پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک ڈبہ پر موٹے حرفوں پر "حب السلاطین" لکھا ہوا ہے۔ آپ دیکھتے ہی پھڑک جائیں گے کہ "حب" کے معنی "دانہ" اور سلاطین کے معنی بادشاہ۔ آپ سوچیں گے کہ یہ شاید بادشاہوں کے تاج پر لگائے جانے والے ہیرے جواہرات کے دردانے ہوں گے۔ مگر جب آپ ڈبہ کھول کر دیکھیں گے تو اس میں "جمال گوٹہ" ہوگا۔ دیکھ لیا آپ نے؟ "جمال گوٹہ" کا حکیموں نے کتنا خوبصورت اور شاندار نام رکھ دیا ہے حالانکہ یہ وہ خبیث دوائی ہے کہ اگر چند دانے کسی کو کھلا دیجئے۔ تو رات بھر میں اس کا "بیت الخلاء"، "بیت الشیاطین" بن جائے گا اور صبح ہوتے ہوتے اس کا بھی ایک دو تین ہو جائے گا۔

اس طرح کسی ڈبے پر لکھا ہوا ملے گا "فلوس خیار شنبر" یہ نام پڑھ کر آپ سوچنے لگیں گے کہ شاید یہ جنت کا کوئی پھل ہوگا۔ یا کم سے کم "مشک و عنبر" کا سوتیلا بھائی ہوگا۔ مگر ڈبے میں سے نکالیں گے تو "املتاس" کا گودا نکلے گا۔ جس کی صورت اتنی مکروہ کہ دیکھتے ہی متلی آنے لگے اور سیرت کا یہ حال کہ اگر کسی کو اس کا جوشاندہ پلا دیا جائے تو اس کے چہرے کی چوحدی بدل جائے گی اور منہ کا حلیہ بگڑ جائے گا اور صبح ہوتے ہوتے وہی انجام ہوگا جو جمال گوٹہ کھانے والے کا ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح کتب خانوں میں جائیے تو ایک کتاب کے ٹائیٹل پر "تقویۃ الایمان" نام لکھا ہوگا۔ آپ خوش ہو کر اس کو اٹھالیں گے کہ سبحان اللہ! اس کتاب سے ایمان میں قوت پیدا ہو گئی۔ مگر چند سطریں پڑھنے کے بعد آپ کو پتہ چلے گا کہ ارے یہ "تقویۃ الایمان" نہیں ہے۔ بلکہ یہ

تو "تفویۃ الایمان" ہے یعنی اس کو پڑھتے ہی ایمان کی وفات ہو جائے گی!

مسلمانو! بس یہی حال ہے اس زمانے میں "قومی یکجہتی" اور "قومی دھارے" کے خوشنما اور خوب لفظوں کا کہ یہ مسلم قوم کے لئے ایک سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے جس پر خوب صورت نام کی شکر چڑھادی گئی ہے تاکہ فرزندان توحید کے حلق سے اتار کر ان کے ایمان کا خون کر دیا جائے۔ اور در حقیقت یہ سیاسی مولوی ہی اس خوفناک سازش کے وہ آلہ کار ہیں جن کے بل بوتے پر یہ مسلم کش اسکیمیں پروان چڑھ رہی ہیں۔

مسلمانو! ان ملت فروش مولویوں کی حرکتوں سے ہم مسلمانوں کو جو دکھ پہنچے ہیں۔ ان کو اس کے سوا اور کس طرح بیان کروں کہ

غم کے مارے جو مسکرائے ہیں آنسوؤں کو پسینے آئے ہیں
مہربانی، خلوص، ہمدردی ہم نے کیا کیا فریب کھائے ہیں
واسطہ جب پڑا ہے اپنوں سے غیر کیا کیا نہ یاد آئے ہیں

بہر کیف ہم کو ان ملت فروش علماء کی جمعیت سے کچھ کہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ہم ان لوگوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ مگر ہمیں تم توحید الٰہی کے پرستاروں اور مدنی تاجدار کے جاں نثاروں سے یہی کہنا ہے جو قرآن نے فرمایا کہ تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

مسلمانو! خدا کی قسم! تم مانو یا نہ مانو۔ مگر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ زمین پھٹ سکتی ہے اور ایک دن پھٹ جائے گی۔ آسمان ٹوٹ سکتا ہے اور ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ چاند اور سورج کی روشنی ختم ہو سکتی ہے اور ایک دن ختم ہو جائے گی۔ مگر احکم الحاکمین کا فرمان نہ کبھی بدلا ہے نہ بدل سکتا ہے فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً سن لو۔ خدا کا دستور ناقابل ترمیم ہے اس میں ردوبدل ناممکن، اور کسی قسم کی تبدیلی محال ہے۔ ہمارے ہزاروں تجربے غلط ہو سکتے ہیں اور ہماری آنکھ کا معائنہ اور مشاہدہ فریب نظر ہو سکتا ہے مگر عالم الغیب والشہادۃ کا فرمان کبھی ہرگز ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں نہیں بدلی
خدا کی بات بدلنی نہ تھی، نہیں بدلی

اس لئے اے میرے دینی اور ایمانی بھائیو! تم ہر حال میں اپنے رب کے فرمان اور تعلیم

قرآن پر دل و جاں سے قربان ہوتے رہو اور رحمت عالم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو حرز جاں بنائے رکھو کیونکہ ایک مسلمان کے لئے رحمت عالم کی پیروی ہی جان ایمان ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ ؎

سر تاقدم اللہ کی اک شان ہیں یہ
ان سا نہیں انساں، وہ انساں ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے، مری جان ہیں یہ

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے بھی مسلمانوں کو اتباع رسول کا درس دیتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی، تمام بولہبی است

یعنی اے مسلمان! تو پیارے مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کر کے ان کے دربار قرب میں رسائی حاصل کر، اور ان کا غلام بن جا۔ کیونکہ ان کی ذات اقدس ہی کا نام دین ہے۔ اگر ان کے دربار کا غلام نہ بن سکا تو پھر تجھ میں اور ابولہب میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا!

تین دوست، تین دشمن:۔ برادران ملت! قرآن کا فرمان آپ سن چکے ہیں کہ اللہ اور مومنین کے دشمنوں کو دوست بنانا حرام ہے۔

مسلمانو! دوست اور دشمن کا ذکر آگیا تو اب یہ بھی سن لو کہ دوست کون کون اور کتنی قسم کے ہوتے ہیں؟ اور دشمن کون کون، اور کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟ تو بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دوست بھی تین ہیں اور دشمن بھی تین ہیں۔ تین دوست کون کون ہیں؟ سنئے:

حَبِيْبُكَ وحبِيبُ حَبِيْبِكَ وَعَدُوُّ عَدُوِّكَ.

ایک تیرا دوست، دوسرا تیرے دوست کا دوست۔ تیسرا تیرے دشمن کا دشمن۔

اور تین دشمن کون کون ہیں؟ سنئے:

عَدُوُّكَ. وَعَدُوُّ حَبِيْبِكَ وَحَبِيْبُ عَدُوِّكَ.

ایک تیرا دشمن۔ دوسرا تیرے دوست کا دشمن۔ تیسرا تیرے دشمن کا دوست۔

سبحان اللہ! کتنے تجربے کی اور کتنی انمول بات ہے کہ ایک دوست تو وہ ہے کہ وہ خود تم سے محبت رکھتا ہے۔ اور ایک دوست وہ ہے جو اگرچہ تم سے محبت نہیں رکھتا مگر تمہارے کسی دوست سے محبت رکھتا ہے تو تم اپنے دوست کے دوست کو بھی اپنا دوست ہی سمجھو اور ایک دوست وہ بھی ہے کہ جو نہ تم سے محبت رکھتا ہے نہ تمہارے کسی دوست سے محبت رکھتا ہے۔ مگر وہ تمہارے کسی دشمن کا دشمن ہے تو وہ یقیناً اپنے دشمن کو شکست دینے کے لئے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا تو تم اس کو بھی اپنا دوست ہی سمجھو۔ اسی طرح تمہارا ایک دشمن تو وہ ہے جو خود تم سے دشمنی رکھتا ہے اور ایک دشمن تو وہ بھی ہے جو اگرچہ تم سے دشمنی نہیں رکھتا مگر تمہارے کسی دوست سے دشمنی رکھتا ہے۔ تو تم اس کو بھی اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اور ایک دشمن وہ ہے جو نہ تم سے دشمنی رکھتا ہے نہ تمہارے کسی دوست کا دشمن ہے۔ مگر وہ تمہارے دشمن کا دوست ہے تو تم اس کو بھی اپنا دشمن ہی سمجھو۔

حضرات گرامی! اب جب کہ آپ نے دوست اور دشمن کی قسموں کو جان لیا۔ تو اب فیصلہ کیجئے کہ کفار آپ کے دوست ہیں یا دشمن؟ اجی۔ یہ تو ایسے دشمن ہیں کہ یہ تنہا تینوں قسم کے دشمن ہیں۔ آپ بار بار سن چکے کہ قرآن میں خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ عدوّی وعدوّکم یعنی کفار تمہارے دشمن ہیں اور تمہارے دوست اللہ کے بھی دشمن ہیں۔ اور تمہارے تمام دشمنوں یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کے بھی یہ دوست ہیں۔ لہٰذا یہ تمہارے دشمن بھی ہوئے اور تمہارے دوست کے بھی دشمن ہوئے۔ اور تمہارے دشمن کے بھی دوست ہوئے۔

حضرات گرامی! اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ کفار و مشرکین تمہارے دشمن ہیں۔ تو اب جو لوگ ان سے محبت رکھیں۔ وہ تمہارے دشمن کے دوست ہیں اور تم سن چکے کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے۔ تو پتہ چلا کہ کفار و مشرکین سے دوستی اور محبت کرنے والے، خواہ وہ کسی صورت میں ہوں، کسی لباس میں ہوں خواہ وہ اپنا کچھ بھی نام رکھیں اور کتنا بھی اپنی مسلم دوستی کا ڈھنڈورہ پیٹیں۔ مگر خدا کی قسم وہ یقیناً مسلمانوں کے دشمن ہی ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ فرمان الٰہی لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء پر عمل کرتے ہوئے ان

دشمنوں کو بھی ہرگز ہرگز اپنا دوست نہ بنائیں۔ بلکہ یہ سمجھ کر یہ مسلمانوں کی صورتوں میں مسلمانوں کے بدن کے سڑے ہوئے اعضاء ہیں۔ ان کو اپنے سے الگ تھلگ رکھ کر اپنے قومی بدن کو سڑ جانے اور برباد ہونے سے بچائیں۔

موالاۃ و معاملات:۔ حضرات گرامی! میرا خیال ہے کہ شاید آپ میری اس تقریر سے اپنے دل میں ایک بہت بڑا خلجان اور اضطراب محسوس کرتے ہوں گے۔ اگر ہم اللہ اور رسول کے دشمنوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کریں گے تو ہماری معاشی اور سماجی زندگی بالکل تباہ و برباد ہو جائے گی کیونکہ نہ ہم تجارت کر سکیں گے نہ کوئی صنعتی کارخانہ قائم کر سکیں گے نہ کوئی محنت مزدوری کر سکیں گے۔ نہ رفاہ عامہ کا کوئی کام ہو سکے گا۔ کیونکہ ملک بھر کے افراد کا تعاون حاصل کئے بغیر کسی طرح ہماری ملکی اور شہری زندگی برقرار نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ہم کس طرح کفار و مشرکین وغیرہ سے بالکل کنارہ کش ہو کر زندہ رہ سکیں گے؟

تو برادران ملت! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دین اسلام انسانوں کی زندگی کو تباہ کرنے کے لئے نہیں آیا ہے، بلکہ دین اسلام تو انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے ہرگز ہرگز قرآنی تعلیم کو کسی شک و شبہ کی نظر سے نہ دیکھے۔ بلکہ انتہائی حاضر دماغی اور نگاہ بصیرت کے ساتھ قرآن کے الفاظ پر نظر رکھئے اور غور فرمایئے کہ قرآن نے لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ فرمایا ہے۔ یعنی کفار سے دوستی کو حرام ٹھہرایا ہے کفار کے ساتھ خرید و فروخت، لین دین، ایک ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور دنیاوی معاملات کو حرام نہیں قرار دیا ہے۔

عزیزان گرامی! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے اور ذہن نشین کر لیجئے کہ ایک ہے "موالاۃ" (دوستی) اور ایک ہے "معاملات" (لین دین) "موالاۃ" اور چیز ہے اور "معاملات" اور چیز۔ قرآن کا فرمان یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے ساتھ موالاۃ اور دوستی ناجائز و حرام ہے۔ معاملات یعنی خرید و فروخت لین دین حرام نہیں ہے۔ یاد رکھئے کہ معاملات کے لئے نہ موالاۃ ضروری ہے نہ موالاۃ کے لئے معاملات ضروری ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص سے آپ ہزاروں معاملات عمر بھر کرتے رہیں۔ مگر ذرا بھی اس سے آپ کی دوستی اور محبت نہ ہو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص سے آپ کی دوستی اور محبت تو ہو مگر آپ اس سے کوئی بھی لین دین کا

معاملہ نہ کریں۔

قرآن دشمنان ایمان کے ساتھ معاملات کرنے کو منع نہیں کرتا۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ معاملات کر سکتے ہیں۔ قرآن ان لوگوں کے ساتھ دوستی کو منع کرتا ہے کہ خبردار، خبردار! ان لوگوں کو اپنا دوست بنا کر ان کو اپنا قومی اور مذہبی رازدار نہ بنائیں۔ اور اپنے دینی و قومی مسائل میں ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں۔ بلکہ ہمیشہ ان لوگوں سے ہوشیار رہیں۔ اور ان لوگوں سے محبت کر کے ان کے کفری شعار کو ہرگز ہرگز کبھی اختیار نہ کریں بلکہ اپنے اسلامی عقائد پر پہاڑوں کی طرح مستقیم اور برقرار رہیں۔

برادران اسلام! کون نہیں جانتا کہ "سنڈاس" بہت ہی خراب جگہ ہے۔ ہرگز ہرگز وہ انسان کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ مگر بوقت فراغت وہاں ہر انسان کو جانا ہی پڑتا ہے۔ مگر دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ "سنڈاس" میں اتنی ہی دیر ٹھہریئے۔ جتنی دیر تک وہاں ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ سنڈاس میں پلنگ بچھا کر دن رات پڑے رہیں تو بھلا اس کو حماقت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اسی طرح دشمنان اسلام سے اپنی دنیاوی اور معاشی ضرورتوں کے لئے اتنا ہی ربط و ضبط اور تعلق رکھئے جس سے آپ کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ اگر آپ نے ضرورت سے زیادہ میل جول رکھا اور ان کو اپنے دل میں بٹھا کر، یا خود ان کے دل میں بیٹھ کر ان کو اپنا دلی دوست، اور اپنا قوم و ملی رازدار بنا لیا اور اپنا سارا قومی و ملی راز ان کو بتا دیا۔ یا اتنی گہری دوستی کر لی کہ ان کے دینی شعاروں اور کفر و شرک کے کاموں سے آپ متنفر نہ رہے بلکہ ان کے ہمنوا بن گئے۔ تو پھر سمجھ لیجئے کہ یقیناً آپ تعلیم اسلام کے مستحکم جہاز کو جس پر آپ سوار ہیں۔ ایسا خطرناک تارپیڈو مار رہے ہیں جس کا انجام آپ کی قومی و ملی ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور انتہائی خطرہ ہے کہ کفار کی ایسی دوستی اور محبت آپ کو کفر کے غار میں گرا دے گی اور آپ کی دولت ایمان غارت و برباد ہو جائے گی۔ لہٰذا آپ کے ملی وجود کی خیریت، اور آپ کے ایمان و اسلام کی سلامتی اسی میں ہے کہ فاسد کو صالح سے، بد کو نیک سے، برے کو اچھے سے دور ہی رہنے دیجئے۔ اور قرآن کی اس مقدس آیت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیجئے کہ اللہ اور مومنین کے دشمنوں یعنی کفار و مشرکین، منافقین و مرتدین، یہود و نصاریٰ غرض تمام دشمنان دین سے دوستی اور محبت کا رشتہ نہ جوڑیئے اور ان لوگوں کو اپنا

دوست نہ بنایئے بہر کیف میں سمجھتا ہوں کہ ایک حد تک میں نے سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیتوں کا مطلب آپ کے سامنے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد اب اس کے سوا میں آپ سے اور کیا کہہ سکتا ہوں ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتومی گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ہاں آپ کے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم سب کو قبول حق کی توفیق بخشے اور صدق دل سے بارگاہ الٰہی میں اپنی یہ عرض پیش کرتا ہوں کہ ؎

دلوں کو مرکز مہر و وفا کر حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نان جویں بخشی ہے تو نے اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

سینتیسواں وعظ

منافقین بے نقاب

ہو اگر نیت بُری، اچھے عمل بے کار ہیں
جاگتا ہے دُزد بھی مثلِ نگہباں رات بھر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد فقد قال اللّٰہ تعالیٰ فی کتابہ العظیم وخطابہ القدیم

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ س فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ج وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ (آل عمران)

برادران ملت! ایک بار باآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللّٰھم صلّ وسلم علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ قدر حسنہ وجمالہ۔

اَلصُّبْحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِهٖ وَاللَّيْلُ دَجٰى مِنْ وَّفْرَتِهٖ
فَمُحَمَّدُنَا هُوَ سَيِّدُنَا وَالْعِزُّ لَنَا مِنْ طَاعَتِهٖ

نور جن کا لئے پیشانی میں آدم آئے — آج دنیا میں وہی نور مجسم آئے
آمنہ کیوں نہ بھلا فخر کریں قسمت پر — ان کی آغوش میں جب فخر دو عالم آئے

حضرات گرامی! آپ نے دیکھا ہوگا کہ شہد کی مکھیاں ہزاروں کی تعداد میں اپنے چھتے کے اندر انتہائی سکون اطمینان کے ساتھ اپنے کام دھندے پر لگی رہتی ہیں۔ کچھ شہد بنانے میں، کچھ چھتے کی تعمیر میں، کچھ انڈوں بچوں کی نگہداشت میں مصروف رہتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی انسان ان کے چھتے کو اک ذرا ہاتھ لگا دے تو پھر مت پوچھئے کہ ان سکون و وقار کے مجسموں کے جوش و خروش، اور ان کے غیظ و غضب کا کیا عالم ہوتا ہے؟ ایک دم ان مکھیوں کا جم غفیر ایک بپھرے ہوئے لشکر کی صورت میں بھنبھناتا ہوا چھتے سے نکل پڑتا ہے اور اس انسان پر اس طرح حملہ آور ہو جاتا ہے کہ جذبہ انتقام میں اپنے نفع و نقصان، بلکہ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا۔

حضرات! بس بالکل ٹھیک یہی حال مکہ مکرمہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب کا ہوا۔ یہاں کی پوری آبادی نہایت پر سکون ماحول میں اپنی تلاش معاش میں مصروف اور اپنے کاروبار میں

مشغول تھی۔ نہ عقائد میں کوئی اختلاف تھا۔ نہ طریقہ عبادت میں کوئی جھگڑا تھا کہ ایک دم بالکل ناگہاں حضور نبی اکرم علیہ کا ظہور ہوا۔ ایک دن جبل حرا کے غار سے حضور احمد مختار علیہ اپنے پروردگار کی نازل کی ہوئی چند آیات لے کر تشریف لائے اور خدا کے گھر میں خدا کے اس کلمۃ الحق کا اعلان فرمایا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بس اس کلمۃ الحق کا اعلان کرنا تھا کہ ایک دم مکہ کے امن و سکون کی دنیا میں ایک بھونچال آ گیا اور اس ریگستان کے خشک سمندر میں ایسا ہولناک طوفان برپا ہو گیا کہ بحر عرب کی موجوں کا نظام درہم ہو گیا۔ ہر متنفس کے سینے میں آتش غیظ و غضب کا ایک تنور بھڑک اٹھا اور ہر شخص جوش و خروش میں پارے کی طرح بے قرار پھرنے لگا۔ غرض نبی برحق کے خلاف مخالفتوں کا ایسا طومار کھڑا ہو گیا ذرا ایسی ہلچل مچ گئی کہ مکہ کی زمین دہل گئی اور حرم الٰہی کا سکون غارت ہو گیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعرۂ حق سے ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی کہ جس کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ کہ:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صورت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

برادران ملت! حضور نبی برحق کے خلاف سارا مکہ صف آراء ہو کر نکل پڑا اور ہر طرف شور و غل مچا ہوا تھا۔ کہ:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهاً وَّاحِداً ط اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۔
یعنی کیا محمد بن عبد اللہ نے تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود ٹھہرا دیا۔
یقیناً یہ بہت ہی عجیب ہے۔

ہر جگہ یہی شور برپا تھا کہ اے عرب والو! غضب ہو گیا۔ اٹھو۔ دوڑو۔ دیر مت کرو۔ دیکھو عبد اللہ کے بیٹے محمد نے ہمارے تمام خداؤں کو ان کے انٹ گھنٹ کے ساتھ ملک بدر کر کے بلکہ صفحہ ہستی سے مٹا کر ایک خدائے واحد کی خدائی کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا اے عرب والو! اپنے دیوتاؤں کی مدد اور اپنے خداؤں کی مدد کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دو۔ اور جس قیمت پر بھی ممکن ہو عبد اللہ کے بیٹے کی آواز حق کو دبا دو اور اس کلمۃ الحق کے پرچم کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دو تا کہ مکہ کی فضاؤں میں اس صوت سرمدی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ جائے۔

ایمان کے خلاف شیطانی پلان:۔ چنانچہ نور ایمان کے چراغ کو بجھانے اور دین برحق

کے نام و نشان کو مٹانے کے لئے مکہ والے طرح طرح کے شیطانی پلان بنانے لگے۔ کفر و شرک کے بڑے بڑے گرگوں نے سب سے پہلے یہ اسکیم بنائی کہ اصول بر حق کے خلاف قسم قسم کے پروپیگنڈوں کا ایسا زور باندھ دو کہ لوگ ان سے بد ظن ہو کر ان کی کسی بات پر دھیان ہی نہ دیں۔ چنانچہ ایک دم مکہ والوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عبداللہ کے فرزند پاگل اور دیوانے ہو گئے ہیں۔ خود آپ کا حقیقی چچا ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے مکہ کی گلیوں میں یہ اعلان کرتا پھرتا تھا کہ خبردار! کوئی ان کی کسی بات پر توجہ نہ کرے۔ یہ ہمارے دیوتاؤں کی جھپٹ میں آگئے ہیں اور پاگل ہو گئے ہیں۔ ظالموں نے مکہ کے کوچہ و بازار میں شریر لڑکوں کا غول آپ کے پیچھے لگا دیا۔ جو آپ کے جسم نازک پر پتھراؤ کرتے تھے۔ اور یہ دیوانے ہیں۔ یہ پاگل ہیں کا شور مچایا کرتے تھے۔ کسی طرف سے یہ پروپیگنڈہ ہونے لگا کہ یہ جادوگر ہیں۔ کچھ یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ کاہن ہیں۔ غرض آپ کی ذات مقدسہ پر قسم قسم کے کذب و بہتان کے طوفان اٹھائے گئے۔

مگر برادران ملت! رسول بر حق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمتہ الحق کا نعرہ کوئی انسانی آواز نہیں تھی۔ جو چند غنڈوں کے شور و غوغا کے دنگوں سے دب جاتی۔ یہ تو نعرۂ حق کی صوت سرمدی تھی یا تجلی حقانیت کی ایک بجلی تھی جس کی آواز پر زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ گوش بر آواز تھا۔ جس انسان کے کان میں اس نعرۂ حق کی گونج پہنچتی اس کے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ اس کی تاثیر سے مطلع انوار ہو جاتا۔ اور وہ اس دعوت حق پر لبیک کہتا ہوا شمع نبوت کا پروانہ بن جاتا تھا۔ آج ابو بکر صدیق، خدیجۃ الکبریٰ، علی مرتضیٰ، زید بن حارثہ مسلمان ہوئے۔ تو کل عثمان غنی، حمزہ، زبیر، سعد، سعید دامن اسلام میں آگئے۔ تو پرسوں عمار بن یاسر، صہیب رومی اور بلال آسمان اسلام بدر ہلال بن کر چمکے۔ چند دن گزرے تھے کہ۔

مشہور تر زمانے میں ہیبت عمر کی تھی
ان پر بھی دم میں چھا گئی ہیبت رسول کی

کل تک تو یہ عمر بن خطاب ننگی تلوار لے کر رسول بر حق کا سر کاٹنے کے لئے مکہ کی گلیوں میں چکر لگایا کرتے تھے۔ مگر آج رسول رحمت کے مقدس قدموں پر اپنا سر کٹانے کے لئے بے قرار دوڑتے پھرتے نظر آنے لگے (رضی اللہ عن جمیع الصحابۃ اجمعین)

حضرات! اہل مکہ نے جو یہ منظر دیکھا تو ان کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے اپنی سعی لاحاصل پر کف افسوس ملتے ہوئے اپنے "دارالندوہ" میں ایک زبردست میٹنگ بلائی۔ اور سب نے سر جوڑ کر پوری دماغ سوزی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے اب تک کے تمام پروپیگنڈوں کا جال تو بکھر چکا اور نبی برحق کو بدنام کرنے کی ہماری ساری کوشش رائیگاں، اور تمام دسیسہ کاریاں ناکام ہو گئیں۔ لہٰذا اب یہ پروگرام بناؤ کہ قرآن کی آواز ہی کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے، اور جب بھی، اور جہاں کہیں بھی پیغمبر خدا قرآن کی تلاوت فرمائیں۔ تو راستے روک لو۔ اور کسی کو ان کے پاس جانے ہی نہ دو۔ اور تالی پیٹ پیٹ کر، سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور و غل مچاؤ کہ قرآن کی تلاوت کوئی سننے ہی نہ پائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں رب العزت جل جلالہٗ نے کفار مکہ کی اس سکیم کا پردہ فاش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝ (حٰمٓ السجدة)

یعنی کفار نے لوگوں سے یہ کہا کہ اس قرآن کو سنو ہی مت۔ اور خوب شور و غوغا مچاؤ۔ امید ہے کہ اس ترکیب سے تم غالب آ جاؤ گے۔

چنانچہ مکہ والوں نے انتہائی کوشش کر ڈالی کہ قرآن کی آواز کسی کان میں نہ پڑے مگر خدا کی شان کہ ؎

کہیں پھونکوں سے بجھتی ہے تجلی نور ایماں کی
ہوا روکے تو کشتی تیز چلتی ہے مسلماں کی

کفار مکہ کی کوششوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تاثیر اسلام کی آندھیوں کے سامنے مکڑیوں کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئے اور دین برحق کے متلاشی کسی نہ کسی طرح ہزاروں رکاوٹوں کے پہاڑوں سے بھی ٹکراتے ہوئے قرآن سنتے ہی اور مسلمان ہوتے ہی رہے اور مسلمان زبان حال سے کہتے رہے ؎

نکالی سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہو گا
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

برادران ملت! جب کفار مکہ کی یہ ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ تو وہ اپنی مسلسل ناکامیوں

سے چراغ پا ہو کر آگ بگولہ ہو گئے اور ظالموں نے خدا کے محبوب پر انتہائی بے دردی کے ساتھ ایذاء رسانیوں کا کوہ ستم توڑنا شروع کر دیا۔ جسم اطہر پر پتھروں کی بارش کی، راستوں میں کانٹے بچھائے۔ بائیکاٹ کیا۔ یہاں تک کہ عرش الٰہی کا مہمان شعب ابی طالب کی تنگ گھاٹی میں محصور کر دیا گیا۔ اور آپ کے متبعین کو اتنا ستایا گیا کہ کسی پر کوڑوں کی بارش کی گئی۔ کسی کو آگ کے جلتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا گیا۔ کسی کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں پہنچایا گیا، کسی کے شکم یا پشت میں نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔ غرض ظلم و ستم کے ایسے ایسے طوفان اٹھائے گئے کہ بحیرۂ عرب کے تلاطم کو سکتہ آ گیا اور سرزمین حجاز کا ذرہ ذرہ بلبلا اٹھا۔ حد ہو گئی کہ رحمت عالم کے قتل ناحق کا بزدلانہ منصوبہ بنایا گیا حتیٰ کہ رحمتہ للعالمین نے اپنے محبوب وطن مکہ سرزمین کو خیر باد کہہ کر ہجرت فرمائی۔ اور وطن سے سینکڑوں میل دور مدینہ جا کر سکونت فرمائی۔ بلکہ مدینہ پر بڑے بڑے فوجی حملے کئے۔ 2ھ ہجری میں جنگ بدر کا معرکہ ہوا۔ 3ھ میں جنگ احد کی خوں آشام لڑائی ہوئی۔ یہاں تک کہ 5ھ میں مکہ والوں نے مختلف قبائل کے بائیس ہزار لشکر جرار کو ساتھ لے کر شہر مدینہ پر تین طرف سے اتنے زور کا حملہ کیا کہ مدینے کی زمین دہل گئی اور سرور عالم نے صحابہ کے ساتھ خندق کھود کر شہر مدینہ کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئیں مگر کفار مکہ کا ہر ایک منصوبہ ناکام ہی ہوتا رہا اور ہمیشہ دین برحق کا بول بالا، اور کفار کا منہ کالا ہی ہوتا رہا۔

کفار کا آخری حربہ:۔ حضرات گرامی! جب کفار مکہ اپنی سازشوں اور سیاہ کاریوں سے مایوس ہو چکے تو ان لوگوں نے یہ خطرناک پلان بنایا کہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے پانچواں کالم بناؤ۔ یعنی کچھ ایسے لوگوں کو منتخب کرو۔ جو مسلمانوں کی صورتوں میں ہوں۔ جو مسلمانوں کی طرح نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے پابند ہوں، جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں ملے جلے رہیں اور اندرونی طور پر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلی کرتی رہیں اور مسلمانوں میں مل جل کر کفر کا مشن چلاتے رہیں۔ چنانچہ پانچواں کالم تیار ہوا۔ اور کفار مکہ اور یہودیوں کی سازش سے ایک ایسا گروہ بن گیا جو بظاہر تو مسلمان تھے اور اپنی زبانوں سے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں کفر کی خباثت بھری ہوئی تھی اور ان کے دل و دماغ کے گوشے گوشے سے اسلام کی عداوت کا ایسا زہر پھیل رہا تھا کہ لوگ دن رات اسلام کی بیخ کنی، اور رسول کی مخالفت میں

سرگرم رہتے تھے اور اسلام کی ترقی اور رسول برحق کی عظمتوں کے بلند میناروں کو دیکھ دیکھ کر بغض وعناد اور حسد وفساد کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔ یہ لوگ ایک طرف تو کفار سے انتہائی گہرا تعلق اور والہانہ محبت رکھتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے سامنے دن رات اپنے مسلمان ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے تھے۔

برادران ملت! کفار کا یہ پانچواں کالم وہی خطرناک گروہ ہے۔ جس کو قرآن و حدیث میں "منافقین" کہا گیا ہے۔ یہ لوگ مکروفریب اور سیاہ کاریوں کے فن میں ایسے چار سو بیس تھے کہ ان کی تدلیس پر ابلیس کو بھی پسینہ آجاتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ٥

یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ دیا چاہتے ہیں اور حقیقت میں یہ لوگ خود اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں۔ مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

اور مسلمانو! لطف تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی دورخی پالیسی، اور منافقانہ چالوں پر مارے خوشی کے بغلیں بجایا کرتے تھے۔ اور دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھتے تھے۔ قرآن کریم گواہ ہے کہ:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا صلے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ لا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ. (بقرة)

یعنی جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ ہم تو مومن ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں اور مسلمانوں سے مذاق کرتے رہتے ہیں۔

غرض یہ منافقین بظاہر بڑے نمازی، روزہ دار، اور حج وزکوٰۃ کے پابند یہاں تک کہ جہاد بھی کرتے تھے مگر باطن میں یہ لوگ پکے کافر تھے۔ اور اسلام و بانی اسلام ﷺ کے بدترین دشمن تھے۔ چنانچہ ہر موقع پر یہ لوگ اسلام کو مٹانے اور رسول برحق کے وقار واعتبار کے پرچم رفعت کو سرنگوں کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے اور اپنی فریب کاریوں سے انتشار پھیلاتے رہتے ایک طرف تو یہ لوگ اپنے ایمان واسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے ساتھ

ملے جلے رہتے اور مال غنیمت میں حصہ لیا کرتے تھے اور دوسری طرف کافروں کے جاسوس بن کر کفار سے بھی رقمیں اور تحائف وصول کیا کرتے تھے۔ غرض دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھتے تھے اور بے حد خوش و خرم رہتے تھے اور ایک مدت تک اپنی اس منافقانہ روش سے خوب فائدہ اٹھاتے رہے۔

مگر جب ان لوگوں کی شرارتوں کی انتہا ہو گئی اور پاپ کا گھڑا بھر چکا تو پھر تہدید خداوندی نے ان ظالموں کو للکارا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جو میں نے خطبہ کے بعد آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کی ہے!

حضرات! اب آپ انتہائی توجہ کے ساتھ اس مقدس آیت کا ترجمہ سماعت فرمائیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط

یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک گندے کو ستھرے سے جدا نہ کردے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ

(آل عمران)

تو تم لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور پرہیز گاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

منافقین بے نقاب:۔ حضرات گرامی! اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہونے لگا۔ یہاں تک کہ رب العزت جل جلالہٗ نے سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ط وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قف

مَرَدُوْا عَلَی النِفَاقِ قف لَاتَعْلَمُهُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ۔

یہ تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ مدینہ والے نفاق کے خوگر ہو گئے۔ اے محبوب! آپ ابھی تک ان کو نہیں جانتے۔ ہم انہیں جانتے ہیں۔ جلد ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

حضرات! اس آیت کے نزول کے بعد بالکل ہی ان منافقوں کا پول کھل گیا۔ خداوند عالم نے ان ظالموں کو تین عذاب کی وعید فرمائی۔ دو عذاب تو دنیا میں اور ایک بہت بڑا عذاب آخرت میں۔ پہلا عذاب دنیا میں ذلت و رسوائی کا عذاب ہوا۔ اور وہ اس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ ایک دن مسجد نبوی میں جمعہ کے خطبہ کے وقت حضور اکرم ﷺ نے منبر پر چڑھ کر ایک ایک منافق کا نام لے پکارا۔ اور فرمایا کہ:

قُمْ یَا فُلَانُ فَاخْرُجْ فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ!

یعنی اے فلاں، تو کھڑا ہو جا اور مسجد سے نکل جا۔ کیونکہ تو منافق ہے۔

اس وقت مسجد نبوی میں چھتیس منافق موجود تھے۔ ان سب کو حضور ﷺ نے مسجد سے باہر نکال کر جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ (روح المعانی ج 11 ص 11 و خازن ج 2 ص 261) دوسرا عذاب ان کو ان کی قبروں میں دیا جائے گا اور تیسرا عذاب آخرت میں ان کو جہنم میں جھونک کر دیا جائے گا جو یقیناً بہت ہی بڑا عذاب ہے!

بہر حال سورۂ آل عمران میں جو خدا کا وعدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے چھانٹ دے گا اور گندے کو ستھرے سے جدا کرے گا۔ وہ وعدہ خداوندی پورا ہو گیا کہ منافقین کو خدا نے مومنین سے چھانٹ کر جدا فرما دیا۔ پھر:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ۔

اے نبی! آپ کفار اور منافقین دونوں سے جہاد کیجئے اور ان لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ فرمائیے۔

کا قاہرانہ حکم نازل ہو گیا۔

حضرات! اس آیت کے نزول کے بعد تو پھر منافقوں کے لئے امن و امان کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی۔ ذلت و رسوائی کا عذاب ان ظالموں کے سروں پر قہر خداوندی بن کر اترا۔ اور خدا کی لمبی چوڑی زمین ان شرارت کے مجسموں کے لئے تنگ ہو گئی اور دم زدن میں ان کی ساری ہنسی خوشی ہرن ہو گئی۔ ظالم ساری چوکڑی بھول گئے۔ ہر طرف منحوسوں کی طرح منہ لٹکائے اور چہرہ چھپائے بھاگے بھاگے پھرتے تھے اور زبان حال سے کہتے جاتے تھے۔ کہ

فریاد ہے، فریاد ہے! یہ کیسی بلا آئی
گھر گھر مرا چرچا ہے گھر گھر مری رسوائی

عداوت رسول چھپ نہیں سکتی:۔ حضرات گرامی! آپ نے سن لیا کہ منافقوں نے رسول اللہ ﷺ کی دشمنی کو چھپانے کے لئے ہزاروں جتن کئے۔ جھوٹی قسمیں کھاتے رہے اور طرح طرح کی فریب کاریوں اور مکاریوں سے اپنے نفاق پر پردہ ڈالتے رہے، نماز پڑھتے رہے، روزہ رکھتے رہے، حج و زکوٰۃ کے پابند رہے۔ جہادوں میں شرکت کرتے رہے اور اپنے حال و قال سے ہر دم، ہر قدم پر یہی کوشش کرتے رہے کہ عداوت رسول کا جو طوفان ہمارے سینوں میں امنڈ رہا ہے وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مگر آپ نے دیکھ لیا کہ خداوند جبار و قہار نے ان چھپے ہوئے کفار کا پردہ کس طرح فاش کر دیا۔ اور یہ نابکار کس طرح دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

اور مسلمانو! یاد رکھو! کہ یہ عذاب خداوندی صرف زمانہ رسالت ہی کے منافقین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنے والے تمام منافقین کا یہی حشر ہو گا کہ وہ رحمت عالم کے بارے میں اپنے نفاق و شقاق کو چھپانے کی لاکھ کوشش کریں۔ مگر خداوند ذوالجلال کا قہر و جلال ایک نہ ایک دن ضرور ان کا پردہ فاش کر کے انہیں عذاب دارین کے وبال میں ڈال دے گا۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی علیہ الرحمتہ نے کہ

وہابی گرچہ اخفامی کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

یعنی اس دور کے منافقین وہابی اگرچہ نبی کی دشمنی کو چھپاتے ہیں۔ مگر بھلا وہ راز کس طرح چھپ سکتا ہے؟ جن کے ذکر کے لئے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔

چنانچہ ہزاروں واقعات میں سے صرف دو واقعات میں اس وقت آپ کو سنائے دیتا ہوں۔

جو بے حد عبرت آموز ہیں۔ ذرا توجہ سے سنئے!

بھوپالی مولوی کی درگت:۔ حضرات! بھیمڑی ضلع تھانہ کے بیسیوں احباب نے یہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ بھیمڑی میں ایک وہابی مولوی بھوپال سے آیا۔ جو بہت ہی زوردار مقرر، اور بے حد چرب زبان واعظ تھا۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر ایسی ولولہ انگیز تقریر کرتا تھا کہ بھیمڑی کے سنی اس کے وعظ پر لٹو ہو گئے کہ سارا شہر اس طرح اس کا گرویدہ ہو گیا کہ روزانہ ہزاروں سامعین اس کے وعظوں میں شریک اجلاس ہوتے تھے۔ بھیمڑی کے کسی سنی عالم نے جب لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ وہابی ہے۔ تو عوام خفا ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ بھلا اتنا بڑا مداح رسول وہابی کیونکر ہو سکتا ہے؟ مہینوں تک یہ مولوی بھیمڑی میں تقریریں کرتا رہا اور دونوں ہاتھوں سے نذرانے کی رقم بٹورتا رہا۔ بہت سے لوگوں کو مرید بھی کر لیا۔ مگر میں عرض کر چکا کہ قدرت خداوندی کا یہ دستور ہے کہ کبھی نہ کبھی منافقوں کے ڈھول کا پول ضرور کھل جاتا ہے۔ چنانچہ اس مولوی کا بھی یہی انجام ہوا۔ کہ ایک جلسے میں وعظ کہتے کہتے ایک دم یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانو! خدا ایسا قادر ہے۔ ایسا قادر ہے۔ اتنی قدرت والا ہے کہ ایک محمد رسول اللہ کی کیا حقیقت ہے؟ خدا اگر چاہے تو ایک سیکنڈ میں لاکھوں محمد رسول اللہ پیدا کر ڈالے۔ مولوی کا یہ بے تکا جملہ سن کر سارا مجمع فرط حیرت سے مولوی کا منہ تکنے لگا اور ایک سنی عبدالغفار نامی جس کو عام طور پر بھیمڑی والے کا مریڈ عبدالغفار کہا کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی غریب آدمی ہیں اور مجھ فقیر سے بھی بہت ہی والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ ایک دم یہ بھرے جلسے میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ بالکل غلط کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم اب اللہ تعالیٰ ہر گز ہر گز کسی محمد رسول اللہ کو نہیں پیدا کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرما چکا ہے کہ محمد رسول اللہ "خاتم النبیین" ہیں لہٰذا اب اگر خدا نے کسی دوسرے ایک بھی محمد رسول اللہ کو پیدا کر دیا تو خدا جھوٹا ہو جائے گا۔ اور خدا کا جھوٹا ہونا محال ہے۔ عبدالغفار کامریڈ کا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع مشتعل ہو گیا۔ اور مولوی کو مارنے کے لئے دوڑ پڑا۔ یہاں تک مشتعل عوام نے مولوی کو تخت سے گھسیٹ کر نالی میں پٹخ دیا۔ اور مولوی نجس کیچڑ میں لت پت ہو کر سرپٹ بھاگا۔ اور گھر میں گھس گیا۔ دوسرے دن پردے والی گاڑی میں چھپ کر بھیمڑی سے جو بھاگا۔ تو پھر مرتے دم تک کبھی بھیمڑی کا رخ نہیں کیا اور ہر شخص نے جان لیا۔ پہچان لیا اور مان

لیا کہ واقعی یہ بھوپالی مولوی بہت ہی جنجالی قسم کا وہابی مولوی تھا۔

ایک اجمیری مولوی کی مرمت:۔ حضرات! اسی طرح احمد آباد کے ایک معمر شاعر حضرت ضیاء مرحوم نے مجھ سے بیان فرمایا کہ احمد آباد کے محلہ جمال پور میں جیوا بھائی قصائی کی مسجد میں اجمیر کے ایک مولوی صاحب جو چھپے ہوئے وہابی تھے ہر سال بارھویں شریف کا وعظ بیان کیا کرتے تھے۔ اور ایسے انداز میں تقریر کرتے تھے کہ کسی کو کبھی شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ بدمذہب ہوں گے۔ مگر آخر تا کجے؟ آخر دستور خداوندی نے ایک دن اپنے قہر و غضب کا عذاب اس پر نازل ہی فرمادیا۔ اور اس کا پردہ اس طرح فاش کر دیا کہ وہ انتہائی ذلیل و خوار ہو کر ہمیشہ کے لئے احمد آباد سے فرار ہو گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل کا بیان کرتے ہوئے انہوں نے ایک جلسے میں یہ کہا کہ حضور کا سایہ نہیں تھا۔ پھر ایک دم ناگہاں اس کی زبان پر یہ بے تکے الفاظ آگئے کہ اجی! حضور کا سایہ نہیں تھا۔ تو اس میں کیا بات ہے؟ جن کا بھی سایہ نہیں ہوتا۔ شیطان کا بھی سایہ نہیں ہوتا۔ بھوت اور چڑیل کا بھی سایہ نہیں ہوتا۔ سایہ نہ ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔

حضرات! مولوی کی زبان سے اس بیہودہ بکواس کا نکلنا تھا کہ ایک دم سامعین غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور ایک قریشی نوجوان نے مولوی کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر منبر سے گھسیٹا۔ اور فرش پر گرادیا۔ اور لوگوں نے لاتوں اور گھونسوں سے اس قدر بے بھاؤ کی مرمت کر دی کہ کپڑے تو کپڑے بدن تک کے گرد و غبار جھڑ گئے۔ اور مولوی صاحب نے بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنی قیام گاہ میں پناہ لی۔ حضرت ضیاء صاحب کہنے لگے کہ میں ان مولوی صاحب کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اور ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا بھی تھا۔ اس واقعہ کے بعد میں جب ان کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ آپ نے اپنی بہترین تقریر میں یہ گندہ بروزہ کہاں سے اور کیوں ملا دیا؟ تو وہ مولوی صاحب کف افسوس ملتے ہوئے کہنے لگے کہ بھائی! خدا کی قسم! میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا کہ کس طرح ایک دم میری زبان پر یہ الفاظ آگئے!

حضرات! اس واقعہ کو سنا کر حضرت ضیاء صاحب فرمایا کرتے تھے کہ واللہ! مجھے تو اس کا عین الیقین حاصل ہو گیا ہے کہ بدمذہبوں کے دل کی خباثت کبھی نہ کبھی ان کی زبان پر ضرور آ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی طرح بدمذہبوں کی بدمذہبی کو ضرور ظاہر ہی فرما

دیتا ہے۔

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دشمنان رسول لاکھ اپنے کو چھپائیں اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اور قسم قسم کی عبادت کا نقاب اوڑھ کر اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ہزاروں لاکھوں تدبیریں کر ڈالیں مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ یعنی اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے گندے کو ستھرے سے، ناپاک کو پاک سے یعنی منافق کو مومن سے ضرور چھانٹ کر الگ کر دے گا اور کبھی نہ کبھی ضرور منافق کا نفاق ظاہر ہو کر رہے گا اور دل کی بدعقیدگی کسی نہ کسی دن ضرور زبان پر آ کر رہے گی۔

ایک مثال:۔ حضرات! آپ یوں سمجھئے کہ اگر نجاست کے ڈھیر پر کوئی راکھ ڈال دے تو وقتی طور پر نجاست بالکل چھپ جاتی ہے مگر کب تک؟ آخر جب ہواؤں کے جھونکے اس راکھ کو اڑا دیں گے تو کبھی نہ کبھی ضرور وہ نجاست ظاہر ہی ہو کر رہے گی اسی طرح دل کی نجاست یعنی بدعقیدگی اور رسول کی دشمنی کو منافق اپنی عبادتوں کی راکھ سے لاکھ چھپائے مگر قہر خداوندی کی آندھی کسی نہ کسی وقت اس کی عبادتوں کی راکھ کو اڑا کر اس کی بدعقیدگی کی نجاست کو ظاہر ہی کر دے گی۔ اس لئے کہ خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ وہ خبیث کو طیب سے اور گندے کو ستھرے سے اور منافق کو مومن سے ضرور چھانٹ کر الگ الگ کر دے گا۔ اور منافق کی ساری عبادت غارت اور اکارت ہو جائے گی کیوں؟ اس لئے کہ:

ہو اگر نیت بری اچھے عمل بے کار ہیں ... جاگتا ہے دزد بھی مثل نگہباں رات بھر

وما علینا الا البلاغ وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

اڑتیسواں وعظ

وجاہت کلیم اللہ علیہ السلام

صحبتِ پیر رُوم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک "کلیم" سر بکف

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ؕ ۝ (احزاب)

حضرات گرامی! باآواز بلند دربار رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ علٰی سیدنا محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین ابداً ابداً ط

برادران اسلام! اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورۂ احزاب کی ایک آیت شریفہ تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس آیت میں حضرت رب العزت جل جلالہ نے حضرات انبیاء کرام کی اس وجاہت نبوت اور عظمت رسالت کا ذکر فرمایا ہے جو خدا کے مقدس نبیوں اور رسولوں کا وہ طرۂ امتیاز ہے کہ دنیا کے اعظیم سے عظیم تر انسانوں کے لئے بھی اس کے کروڑویں حصے کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ درحقیقت نبوت ورسالت کی عظمت و وجاہت مقام انسانیت کا وہ بلند ترین شرف اور عظیم المرتبت فضل وکمال ہے کہ اوج ثریا کی رفعتیں اور آفتاب وماہتاب کی طلعتیں اس کے آگے سر جھکانے میں اپنی سربلندی کی معراج پاتی ہیں!

حضرات! اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بیان کردوں اور یہ بتادوں کہ یہ آیت کب اور کہاں اور کس موقع پر نازل ہوئی ہے؟

شان نزول:۔ حضرات! تفسیر خازن شریف میں ایک حدیث ہے جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر مال غنیمت تقسیم فرماتے وقت حضور اکرم ﷺ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن وغیرہ اشراف عرب کو سو سو اونٹ عنایت فرمادیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص یہ کہنے لگا کہ معاذ اللہ حضور ﷺ نے اس تقسیم میں عدل نہیں فرمایا۔ جب یہ بات حضور اقدس ﷺ کو معلوم ہوئی۔ تو قلب نازک پر بڑا صدمہ گزرا اور شدت غیظ وغضب سے چہرۂ انور پر سرخی

نمودار ہو گئی اور آپ نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا کہ بھلا اللہ اور اس کا رسول اگر عدل نہ کرے تو پھر کون عدل کرے گا؟ پھر فرمایا کہ یَرْحَمُ اللّٰہُ مُوْسٰی قَدْ اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ بلاشبہ لوگوں نے ان کو اس سے کہیں زیادہ ایذاء پہنچائی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔ (خازن جلد 3 ص 479)

حضرات! اسی موقع پر حضرت حق جل جلالہٗ نے اس آیت کو نازل فرما کر مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ؕ

یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی۔ تو اللہ نے حضرت موسیٰ کو ان لوگوں کی کہی ہوئی باتوں سے بری فرمادیا۔ اور حضرت موسیٰ اللہ کے نزدیک آبرو والے ہیں۔

حضرات گرامی! لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح ستایا تھا؟ اور کیا تکلیف پہنچائی تھی؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی کہی ہوئی باتوں سے کیونکر اور کس طرح بری فرمایا۔ یہ ایک بہت ہی عبرت خیز اور نصیحت آمیز واقعہ ہے اور یہ واقعہ جہاں بارگاہ نبوت کے گستاخوں کی شرارتوں کا آئینہ دار اور تہمت و افتراء کی ایک دردناک داستان ہے۔ وہاں یہ اہل ایمان کے لئے ہدایت کا بہت بڑا سامان، اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت شان کا ایک نورانی نشان بھی ہے۔

بنی اسرائیل کا غسل برہنہ:۔ حضرات! واقعہ یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل میں یہ ایک عام رواج تھا کہ لوگ مجمع عام میں بالکل مادر زاد برہنہ ہو کر غسل کرتے تھے۔ چشموں اور تالابوں پر جھنڈ کے جھنڈ بالکل سر سے پاؤں تک ننگے ہو کر نہایا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گو اسی قوم کے ایک فرد تھے اور اسی ماحول کے اندر پیدا ہوئے تھے لیکن خداوند عالم نے ان کو نبوت کی عظمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس لئے بھلا آپ کی عصمت نبوت اس حیاء سوز بے غیرتی کو کب برداشت کر سکتی تھی؟ آپ بنی اسرائیل کی اس بے حیائی سے انتہائی متنفر اور بے حد

بیزار تھے۔ آپ ہمیشہ یا تو تنہائی میں چھپ کر یا تہبند باندھ کر غسل فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی، اور کسی حالت میں بھی بالکل برہنہ بدن ہو کر نہیں نہاتے۔ تو ظالموں نے آپ پر یہ تہمت لگا دی کہ آپ کے بدن کے اندرونی حصہ میں برص کا سفید داغ یا کوئی ایسا عیب ہے جس کو چھپانے کے لئے یہ کبھی ننگے بدن نہیں ہوتے!

حضرات! اس تہمت کا ظالموں نے اس قدر چرچا کیا کہ ہر کوچہ و بازار میں اس پروپیگنڈہ کا شہرہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مکروہ پروپیگنڈے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب نازک پر بڑا صدمہ گزرا۔ اور آپ کو اس سے بڑی تکلیف اور اذیت پہنچی۔ چنانچہ جب آپ کے قلب مبارک پر رنج و غم کے صدمات پہنچے۔ تو بھلا خداوند قدوس اپنے مقدس کلیم کے رنج و غم کو کب گوارا فرما سکتا تھا؟ اور اپنے ایک برگزیدہ رسول پر ایک عیب کی تہمت بھلا خلاق عالم کے نزدیک کیونکر اور کس طرح قابل برداشت ہو سکتی تھی؟ ارحم الراحمین کی غیرت نے غیب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت اور بے عیبی ظاہر کر دینے کا ایک ایسا سامان پیدا فرمادیا کہ ایک دم بنی اسرائیل کے پروپیگنڈوں اور ان کے شکوک و شبہات کے تمام گرد و غبار چھنٹ اور آپ کی برأت اور بے عیبی کا سورج نصف النہار سے زیادہ عالم آشکار ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ:

وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰی مِنْ بَاْسٍ۔

یعنی خدا کی قسم! حضرت موسیٰ میں تو کوئی عیب ہی نہیں ہے۔

حضرات! اب سن لیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت خداوند قدوس کس طرح ظاہر فرماتا ہے؟ تقریباً تمام تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ عین اسی حالت میں کہ ہر طرف موسیٰ علیہ السلام کے عیب دار ہونے کا چرچا ہو رہا تھا۔ ایک دن آپ پہاڑوں کے دامنوں میں چھپے ہوئے ایک چشمہ پر غسل کے لئے تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر یہاں دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس لئے آپ اپنے تمام کپڑوں کو ایک پتھر پر رکھ کر بالکل برہنہ ہو کر غسل فرمانے لگے۔

ایک تاریخی پتھر:۔ حضرات گرامی! خدا کے ایک مقدس نبی کا لباس ایک پتھر نے جو اپنے سر پر اٹھایا تو اس لباس کی نورانیت سے اس پتھر کے دل و جگر میں ایک ایسا ایمانی جوش پیدا ہو گیا کہ

اس پتھر نے خدا کے حکم سے یہ عزم کر لیا کہ میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برأت کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کر کے پانی سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر آپ کے کپڑوں کو لئے ہوئے سرپٹ بھاگا جارہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس پتھر کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے اور فرمانے لگے کہ ثَوْبِی حَجَرُ. ثَوْبِیْ حَجَرُ یعنی اے پتھر میرا کپڑا، اے پتھر میرا کپڑا۔ مگر پتھر تھا کہ برابر بھاگتا ہی رہا۔ اور آپ بھی بالکل برہنہ پتھر کے تعاقب میں دوڑتے چلے گئے۔ اس طرح بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سر سے پاؤں تک اس کے مقدس جسم میں کہیں بھی کوئی عیب نہیں ہے بلکہ آپ کے بدن کا ہر حصہ حسن و جمال میں اس قدر نقطہ کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ اس دور میں اس کا مثل و مثال تقریباً محال تھا۔ چنانچہ ہر شخص کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰی مِنْ بَاْسٍ یعنی خدا کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل ہی بے عیب ہیں۔ (بخاری جلد 1 ص483)

حضرات! جب یہ پتھر خوب اچھی طرح آپ کی برأت کا اعلان کر چکا تو خود بخود ٹھہر گیا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر غضب و جلال میں تھے کہ آپ نے اس پتھر کو اپنے عصا سے مارنا شروع کر دیا اور اتنے زور زور سے مارا کہ پتھر پر چند نشانات پڑ گئے۔ لیکن اس کے بعد جب آپ کو یہ خیال آیا کہ اس پتھر نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ میری برأت کا اعلان کیا ہے تو ایک دم آپ کو اس پتھر پر پیار آ گیا اور آپ نے اس کو سنبھال کر اپنے جھولے میں رکھ لیا اور عمر بھر اس کو اپنی صحبت و رفاقت سے کبھی جدا نہیں فرمایا۔

حضرات گرامی! یاد رکھئے کہ یہ پتھر وہی خوش نصیب پتھر ہے کہ جب میدان تیہ میں بنی اسرائیل نے پیاس سے بے تاب ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا۔ تو آپ نے اسی پتھر پر ایک مرتبہ اپنا عصا مار دیا تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے ہزاروں انسان اپنے اپنے چشموں سے برسوں سیراب ہوتے رہے۔

پتھروں کے کارنامے:۔ حضرات! مشہور تو یہ ہے کہ پتھر اپنی سختی کی وجہ سے کسی چیز کا کوئی اثر جلد قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ کوئی انسان بات کا اثر قبول نہ کرے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا ہی سنگدل ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے سینے میں دل نہیں ہے بلکہ پتھر ہے مگر آپ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے عشق و محبت میں پتھروں کے کارنامے

ایسے ایسے شاہکار بن کر نمودار ہوئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر بنی نوع انسان حیران رہ جاتے ہیں! چنانچہ ابھی ابھی آپ نے سن لیا کہ خدا کے مقدس کلیم پر ایک عیب جوئی کا پروپیگنڈہ سن کر ایک بے جان پتھر میں ایسا جوش ایمان پیدا ہو گیا کہ اس نے آپ کی برأت کا اعلان کر کے قیامت تک کے لئے اپنی لازوال شہرت کا سامان کر لیا!

مقام ابراہیم:۔ اسی طرح حرم الٰہی کا ایک مقدس اور تاریخی پتھر "مقام ابراہیم" بھی تو ایک پتھر ہی ہے۔ مگر اس مقدس پتھر کا یہ کارنامہ ہے کہ جب خدا کے خلیل جلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ معظمہ کی تعمیر کے لئے اس پتھر پر کھڑے ہوئے تو یہ پتھر اپنے سر پر حضرت خلیل اللہ کا پائے مبارک اٹھا کر جوش محبت میں اتنا رقیق القلب ہو گیا کہ موم کی طرح نرم ہو گیا۔ اور اس پر آپ کے مقدس قدموں کا نشان پڑ گیا۔ چنانچہ اس ایمانی محبت کی بدولت یہ پتھر مقام ابراہیم کے معزز لقب سے سرفراز ہو گیا اور خداوند قدوس نے اس کو ایسی عظمت عطا فرمادی کہ قرآن میں کہیں اس کو فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ فرما کر اپنی عظمت و کبریائی کا ایک نشان بنادیا اور کہیں وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى فرما کر اس کو تمام اہل ایمان کے لئے "جائے نماز" ہونے کا شرف بخش دیا اور یہ فرمادیا کہ اے ایمان والو! تم نماز میرے لئے پڑھو۔ سجدہ مجھے کرو۔ مگر میرے سجدہ کے وقت تم لوگ اپنی پیشانیوں کو اس مقدس پتھر کے پاس رکھو۔ جس نے حضرت خلیل اللہ کے قدموں کے نشان کو جوش ایمان کے ساتھ اپنے سر پر اٹھایا اور اپنی جان کی طرح اس کا نگہبان بنا ہوا ہے!

ابو جہل کی کنکریاں:۔ حضرات! ابو جہل کی مٹھی میں چھپی ہوئی کنکریاں بھی تو ان ہی پتھروں ہی کی نسل سے تھیں۔ مگر آپ جانتے ہی ہیں کہ ان ننھی کنکریوں نے ابو جہل کی مٹھی میں اپنے فطری سکوت اور پیدائشی خاموشی کے طلسم کو توڑ کر زور زور سے کلمہ پڑھا اور نبی برحق کی صداقت کا ڈنکا بجا کر یہ اعلان کر دیا کہ

اعجاز مصطفائی کا عالم نہ پوچھئے
پتھر میں جان ڈال دی، گویا بنا دیا

کوہ احد:۔ اسی طرح کوہ احد پتھروں کا ایک پہاڑ ہی تو ہے۔ مگر اس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ یعنی یہ ایک ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے

محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ لوگوں نے بارہاسنا ہوگا کہ ایک مرتبہ حضور رحمت عالم ﷺ جب اپنے تینوں رفیقوں حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے کر احد پہاڑ پر رونق افروز ہوئے تو اِهْتَزَّلَهُ الْجَبَلُ یعنی جوش مسرت و شادمانی میں جھوم اٹھا اور ہلنے لگا۔ اس وقت رحمت عالم ﷺ نے پہاڑ کو مخاطب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ:

اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِیٌّ وَّ صِدِّيْقٌ وَّ شَهِيْدَانِ۔

یعنی اے پہاڑ! ٹھہر جا اس وقت تجھ پر ایک نبی اور ایک صدیق۔ اور دو شہید ہیں۔

یہ سن کر پہاڑ ساکن ہو گیا۔

برادران اسلام! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ پہاڑ بھی آپ کو جانتا، پہچانتا اور مانتا تھا، اور آپ پر ایمان لا کر آپ کا تابع فرمان تھا۔ وہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی امت کے خاتمے کی بھی خبر تھی، کیونکہ برسوں پہلے حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کی خبر دے دی۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ میرے پیارے رسول ﷺ کی تو یہ شان ہے کہ

فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے اُمی! تری دانائی کی

شش جہت، سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی

حجر اسود:۔ اسی طرح "حجر اسود" جو خانہ کعبہ کے ایک کونے پر جڑا ہوا ہے یہ بھی ایک پتھر ہی ہے مگر اس کو حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خاص نسبت ہے کہ اس کو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے۔ اس نسبت نبوت کی بدولت حضرت حق جل مجدہ نے اس پتھر کو وہ رتبہ بلند بخشا کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "حجر اسود" کا بوسہ لیتے ہوئے یہ فرمادیا کہ:

اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَا عَلَمُ اِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اِنِّیْ

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَلَمَکَ مَا اسْتَلَمْتُکَ۔

(بخاری ج 1 ص 217)

یعنی خبردار! اے حجر اسود! میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ تجھ پر ہاتھ رکھ کر تجھ کو چومتے تھے تو میں تجھ کو نہ چومتا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ کو سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو ٹوک دیا اور یہ فرمایا کہ اے امیر المومنین! آپ نے یہ کیا کہہ دیا؟ کہ حجر اسود کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بلاشبہ یہ نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جب روز ازل میں خداوند عزوجل نے تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا عہد و اقرار کرا لیا تو اس عہد نامہ کو ایک کاغذ میں لکھوا کر اسی حجر اسود کو عطا فرمایا اور وہ اس عہد نامہ کو نگل گیا۔

وَاَنَّہٗ یَبْعَثُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَہٗ عَیْنَانِ وَلِسَانٌ وَّشَفَتَانِ۔

اور یہ حجر اسود جب قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کی دو آنکھیں ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے۔

یَشْہَدُ لِمَنْ وَّافٰی بِالْمُوَافَاۃِ فَھُوَ اَمِیْنُ اللّٰہِ فِیْ ھٰذَا الْکِتَابِ۔

اور جن لوگوں نے عہد الست کو پورا کیا ہو گا ان کے لئے یہ شہادت دے گا کیونکہ یہ عہد نامہ کی دستاویز کے معاملہ میں اللہ کا امین ہے۔

فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ لَااَبْقَانِیَ اللّٰہُ بِاَرْضٍ لَسْتَ فِیْھَا یَا اَبَا الْحَسَنِ

(رواہ الحاکم) (مزیلتہ الدارایہ لمقدمتہ الہدایتہ ص 11)

یعنی حضرت علی شیر خدا کی تقریر سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالحسن! خدا اس زمین میں مجھے باقی نہ رکھے جس زمین میں تم نہ ہو!

بہر کیف میں عرض کر رہا تھا کہ پتھروں کو بھی خدا کے مقدس نبیوں سے ہمیشہ الفت و محبت اور ایک والہانہ لگاؤ رہا ہے اور ان پتھروں نے ایمانی محبت کے جوش میں ایسے ایسے ایمان

افروز کارنامے انجام دیئے ہیں جن کو سن کر انسان حیران اور دنگ رہ جاتا ہے۔

حضرات! جب انبیاء علیہم السلام کے عشق و محبت میں بے جان پتھروں کا یہ عالم ہے۔ تو خدا کی قسم! وہ انسان جس کے سینے کا صندوق اور دل کی تجوری محبت رسول کی دولت سے خالی ہو وہ پتھر سے بھی گیا گزرا ہے۔ واللہ! کیا خوب کہا ہے کسی حقیقت شناس نے کہ ؎

کافر ہے وہ بدبخت جو اس کو کہے دل
جس دل میں نہ ہو الفت سرکار مدینہ

بہر حال میرے بزرگو اور دوستو! میں یہ عرض کر چکا کہ جب خدا کے مقدس کلیم جناب موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے گستاخوں نے ایک عیب لگا کر دکھ دیا اور تکلیف پہنچائی تو ایک پتھر نے خداوند قدوس کے حکم سے آپ کی برأت کا اعلان کیا۔ اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رب العزت جل مجدہٗ نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کی امت کو اپنے اس فرمان سے سرفراز فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔

یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کے مثل مت ہو جانا جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیا تھا تو اس نے ان کو لوگوں کی کہی ہوئی بات سے بری کیا اور ان کے بے عیب ہونے کا اعلان فرما کر ان کی عظمت و وجاہت کا خطبہ پڑھا۔

مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! خبردار! خبردار تم میرے حبیب ﷺ کو کبھی ہرگز ہرگز اپنے کسی قول یا فعل سے رنج و ایذاء مت پہنچاؤ۔ بلکہ ہر وقت، ہر دم اور ہر قدم پر دھیان رکھنا کہ تمہاری حیات کے کسی لمحہ میں تمہاری کسی بات سے میرے محبوب کی شان میں کوئی بے ادبی کوئی ایذاء رسانی کوئی گستاخی نہ ہونے پائے۔ ورنہ یاد رکھئے کہ اسی سورۂ احزاب میں خداوند ذوالجلال کا فرمان جلال اپنے پورے قاہرانہ تیور کے ساتھ تمہیں للکار رہا ہے کہ ایمان والو! سن لو۔

رسول کو ایذاء دینے والے ملعون:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ

وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَاباً مُّهِيناً۔

یعنی بے شک جو ایذاء دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ایک نکتہ:۔ حضرات گرامی! یہاں یہ ایک نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جب بنی اسرائیل کے گستاخوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عیب کی تہمت لگائی۔ تو خداوند عالم ان کو اس تہمت سے بری ٹھہرانے کے لئے کسی انسان یا کسی جن یا کسی فرشتہ کو بھی مقرر فرما سکتا تھا مگر اس قادر قیوم نے ایک بے جان پتھر کو اس خدمت پر مامور فرما کر یہ واضح فرمادیا کہ انبیاء کرام کی عزت و عظمت کی حفاظت اور ان کی امداد و نصرت جن و ملک کی توانائیوں اور انسانی طاقتوں ہی پر موقوف اور انہیں کی رہین منت نہیں۔ بلکہ ہم ایسے ناصر و نصیر اور قادر و قدیر ہیں کہ اگر ہم چاہئیں تو ایک مچھر سے نمرود جیسے جابر بادشاہ کو ہلاک و برباد کرا کے اپنے خلیل کی مدد فرما سکتے ہیں اور ایک بے جان پتھر سے اپنے کلیم کی برأت کا اعلان کرا سکتے ہیں۔ لہٰذا اے انسانو! اے جنو! اے فرشتو! تم اس خیال و گمان میں نہ ہو کہ اگر میرے رسول کی امداد و نصرت نہ کرو گے تو وہ مظفر و منصور نہ ہوں گے بلکہ حضرت حق جل جلالہٗ اپنی کائنات میں سے جس سے بھی چاہے اپنے رسولوں کی امداد و نصرت کی خدمت لے سکتا ہے اور کائنات عالم کا ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ ہر وقت اور ہر دم خدا کے رسولوں کی خدمت گزاری کے لئے ان کے قدموں پر اپنی جاں نثاری کے لئے ایک وفادار سپاہی کی طرح تیار رہتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! پڑھئے ایک بار بآواز بلند بلند درود شریف: "اللّٰهم صل علی سیدنا محمد معدن الجود و الكرم وعلى اله واصحابه وبارك وسلم"۔

حضرات گرامی! اب اس آیت کا آخری جملہ بھی سن لیجئے! خداوند عالم نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شان میں فرمایا وَكَانَ عِنْدَاللّٰهِ وَجِيهاً ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے نزدیک "وجیہ" ہیں۔

وجیہ:۔ حضرات! اب ذرا "وجیہ" کے معنی بھی سن لیجئے۔ "وجیہ" کس کو کہتے ہیں؟ اور اس لفظ کے کتنے معنی ہیں؟ سنئے! "وجیہ" کے تین معنی ہیں سردار قوم۔ آبرو والا۔ مرتبہ والا تفسیر

خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ اس آیت میں "وجیہ" کے تین معانی مراد ہیں۔ صاحب جاہ۔ مرتبہ والا۔ مستجاب الدعوات یعنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ خداوند ذوالجلال کی بارگاہ عظمت میں عزت والے، مرتبہ والے اور اس قدر مقبولیت کی منزل میں ہیں کہ خالق کائنات ان کی ہر دعا اور ہر تمنا کو قبولیت کے شرف سے سرفراز فرماتا ہے اور ان کی ہر مراد اور آرزو کو پوری فرمادیتا ہے۔

اللہ اکبر! مسلمانو! غور کرو کہ خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت موسیٰ تمام کائنات و مخلوقات کی نگاہ میں آبرو والے، مرتبہ والے، عزت والے ہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا وَكَانَ عِندَ اللّٰهِ وَجِيهًا یعنی دنیا والے تو دنیا والے، تخت و تاج والے تو تخت و تاج والے، سلاطین عالم تو سلاطین عالم، حضرت کلیم علیہ السلام کی عزت و آبرو اور ان کے مراتب و درجات کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خداوند کریم، اور خلاق عالم کے دربار عظمت میں عزت و مرتبہ والے ہیں۔ سبحان اللہ!

مسلمانو! سنو اور غور کرو کہ اگر کوئی شخص دنیا کے کسی بادشاہ کے دربار میں عزت والا ہو جاتا ہے تو دنیا والے قدرتی طور پر اس شخص کا ادب و احترام کرنے لگتے ہیں اس سے ڈرنے لگتے ہیں۔ اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے رہتے ہیں۔ تو بھلا جو کوئی خلاق عالم کے دربار معظم میں عزت و آبرو، کی عظمت اور مراتب و درجات کی دولت سے مالا مال ہو۔ وہ کیونکر نہ مخلوق خدا کی نگاہوں میں مکرم و محترم ہوگا اور کیونکر نہ تمام دنیا والے اپنی اپنی دینی و دنیاوی مرادوں میں اس سے اپنی امیدیں وابستہ کریں گے۔

حضرات گرامی! اب آپ سمجھ لیجئے اور اندازہ لگایئے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے دربار میں "وجیہ" یعنی آبرو والے، مرتبہ والے اور مستجاب الدعوات ہیں تو پھر بھلا خدا کے محبوب اکرم، رسول محترم، خلیفۃ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و عظمت، اور ان کی وجاہت کا خدا کے دربار میں کیا عالم ہوگا؟ جو باعث ایجاد عالم ہیں۔ جن کی جود و عطا سے بزم ہستی نے لباس وجود پہنا۔ جن کی نظر کرم نے کائنات عالم کی زلفوں کے پیچ و خم کو سنوارا۔ جن کی رحمت کے پتوار نے سارے جہان کے ڈوبتے ہوئے سفینوں کو ہلاکت کی موجوں سے نکال کر ساحل نجات پر پہنچادیا۔ جو سرور انبیاء بھی ہیں اور تاجدار هَلْ اَتٰى بھی۔ جو مصداق دَنٰى فَتَدَلّٰى بھی ہیں اور متکلم وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى بھی۔ جو شہنشاہ ہردوسرا بھی ہیں اور محبوب کبریا بھی۔ جو احمد مجتبیٰ بھی اور محمد مصطفیٰ بھی۔

وہ مصداق دَنٰی فَتَدَلّٰی جس کی منزل عرش معلّٰی

نکتہ مَا اَوْحٰی کا محرم ﷺ

شام اُمم سلطانِ مدینہ، وہ جس کے کف پا کا پسینہ

گلکدۂ فردوس کی شبنم ﷺ

جن کا پیارا نام محمد، نور مخلد فیض مؤبد

محسنِ مجرد نور مقدم ﷺ

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! میرے رسول خاتم، خدا کے حبیب اکرم ﷺ کی عزت و عظمت، ان کی قدر و منزل، ان کی شان و جاہت کا کیا کہنا؟ سارے عالم میں اعلان کر دو! میں کہتا ہوں کہ ۔

میں لکھ رہا ہوں وصف رسالت مآب کا روح الامین لائیں ورق ماہتاب کا

کیا شان ہے حبیب خدا کے دیار کی ہر ذرہ ہے جو اب یہاں آفتاب کا

حضرات! اسی لئے خداوند قدوس نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ۔ یعنی اے نبی ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، اور اے انسانو! ہم نے اپنے محبوب کو تین اعلیٰ درجے کی صفات کے ساتھ بھیج دیا تو اب تم انسانوں سے ہمارے تین مطالبے بھی ہیں۔ پہلا مطالبہ تو یہ ہے کہ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی تم لوگ اس رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ اور تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا یعنی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی صبح و شام پاکی بیان کرو اور اس کی عبادت کرو۔

مسلمانو! دیکھ لو! یہ آیت پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے۔ کہ آنکھ والو! دیکھ لو تعظیم رسول کا جلوہ۔ کہ خداوند عالم نے انسانوں سے اپنے مطالبات کی جو ترتیب پیش فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سب سے پہلا مطالبہ تو ایمان کا ہے اور ایمان کے بعد اپنی عبادت کا مطالبہ نہیں بلکہ ایمان کے بعد وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ فرما کر اپنے حبیب ﷺ کی تعظیم و توقیر کا مطالبہ ہے۔ پھر اس کے بعد وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا فرما کر اپنی عبادت کا مطالبہ فرمایا۔

عمارت اسلام کی تین منزلیں:۔ سبحان اللہ! مسلمانو! اس خداوندی ترتیب سے پتہ چلتا

ہے کہ ایک مسلمان کے لئے سب سے پہلے ایمان ضروری ہے۔ پھر تعظیم رسول۔ پھر خدا کی عبادت۔ اب اگر ایمان لانے کے بعد کوئی چھلانگ لگا کر خدا کی عبادت کرنے لگے اور درمیان کی منزل تعظیم رسول کو چھوڑ دے تو بلا شبہ اس نے خدا کی مقرر کی ہوئی ترتیب کو ٹھکرا دیا۔ لہٰذا وہ کبھی فلاح کی منزل پر پہنچ کر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ گویا اس آیت نے ہم کو یہ سبق دیا کہ عمارت اسلام کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ایمان، دوسری منزل رسول کی تعظیم۔ تیسری منزل خدا کی عبادت۔ اس لئے لازم ہے کہ ایمان لانے کے بعد تعظیم رسول کی منزل پر پہنچیں۔ اس کے بعد خدا کی عبادت کریں۔ اس لئے بغیر تعظیم رسول کے خدا کی عبادت ہرگز ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی سبحان اللہ! کسی فارسی کے شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

زمین پاک طیبہ با حرم خویش نسبتے وارد — کہ آں کاشانہ رب العلی راہست باب ایں جا

یعنی طیبہ کی پاک زمین حرم کعبہ کے ساتھ ایک بہت ہی اچھی نسبت، اور بہت ہی پیارا تعلق رکھتی ہے اور وہ نسبت و تعلق یہ ہے کہ کعبہ تو خداوند رب العلی کا گھر ہے اور مدنیہ کا گنبد خضراء اس گھر کا دروازہ ہے!

بہر کیف برادران ملت! خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی تعظیم و تکریم حاصل ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی پہچان اور اس کی نعمت عظمیٰ کی عظمت پر قربان ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اے خدا! جب تک کہ جسم میں مری جاں رہے
تجھ پہ صدقے! ترے محبوب پہ قربان رہے

شامیانہ پر جبریل کا ہو تربت پر
کشتہ عشق محمد کی یہ پہچان رہے

کچھ رہے یا نہ رہے، پر یہ دعا ہے کہ امیر
نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آلہٖ و صحبه اجمعین۔

انتالیسواں وعظ

عیدِ میلاد

دو عالم کا حاصل یہی بارھویں ہے
مری عید کامل یہی بارھویں ہے

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم

اعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰاةِ وَ مُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ ط فَلَمَّا جَآءَ هُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ. (صف)

برادران ملت! باآواز درود وسلام کا نعرہ لگائیے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا محمد وَعَلٰی اٰلِ سیّدنا محمد وبارك وسلم

جو عشق نبی میں مست ہوا، کیا بات ہے اس مستانے کی؟
ہر گام پہ سو سو عقل فدا، گو شکل تو ہے دیوانے کی

جس دشت میں ان کا متوالا، طیبہ کے ترانے گاتا ہو
شاداب چمن سے بہتر ہے، کیا بات ہے اس ویرانے کی

وہ کیف حضوری کیا کہئے؟ کہئے بھی تو کہنا مشکل ہے
اشکوں کی وہ ذلت کیا کہنا؟ یہ بات نہیں سمجھانے کی

اس بزم کے قابل میں بھی نہیں، یہ دل بھی نہیں یہ جاں بھی نہیں
دن رات یہ الجھن رہتی ہے کہ فکر کروں نذرانے کی

آتا ہے خوشی کا وہ موقع جس موقع پہ جاں قربان کروں
آئیں گے، لحد میں آئیں گے بس دیر تو ہے مر جانے کی

حضرت گرامی! یہ بارہویں شریف کی مقدس محفل، یعنی جلسہ میلاد النبی ﷺ ہے جو مولائے کل، حضور ختم الرسل نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے ذکر جمیل، اور آپ کی سیرت مقدسہ کے بیان کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔

حضرات! سال کے بارہ مہینوں میں ایک مسلمان کے نزدیک ماہ ربیع الاول کی بارھویں

تاریخ وہ ایمان افروز اور روح پرور تاریخ ہے جو ایمانی شادمانی کے ہزاروں گلشن اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ درحقیقت یہ تاریخ ایک مسلمان کی وہ "عید سعید" کہ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ، شب برات ہو یا شب قدر، ہر اسلامی خوشی کا دن، اور ہر ایمانی شادمانی کی رات اسی بارھویں شریف کا طفیل اور صدقہ ہے، واللہ! یہ مقدس تاریخ اگر اپنے دامن میں ولادت مصطفیٰ ﷺ کی مسرت لئے ہوئے عالم وجود میں نہ آتی تو نہ کعبہ قبلہ اہل ایمان ہوتا نہ نزول قرآن ہوتا نہ دین اسلام ہوتا نہ کوئی مسلمان ہوتا

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ؟
لولاک والے! صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

مسلمانو! سبحان اللہ، سبحان اللہ! اس بارھویں شریف کی شان کا کیا کہنا؟ سن لو۔ اس بارھویں شریف، اور میلاد رسول کی عظمت کا کیا پوچھنا؟

مسرت کی محفل یہی بارھویں ہے — دو عالم کا حاصل یہی بارھویں ہے
سکوں بخش بسمل یہی بارھویں ہے — مری عید کامل یہی بارھویں ہے

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نہ شمس و قمر کی جبیں جگمگاتی — نہ شاخوں پہ بیٹھی کلی مسکراتی
نہ شبنم میں پتی چمن کی نہاتی — نہ آ کر گلوں کو صبا گدگداتی

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

دو عالم کی بستی بسی اس کے صدقے — گلوں کو ملی تازگی، اس کے صدقے
ملی جس کو جنت، ملی اس کے صدقے — ولی اس کے صدقے، نبی اس کے صدقے

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ محفل ہے نعتیں سنانے کی محفل — یہ محفل ہے خوشیاں منانے کی محفل
یہ محفل ہے آقا کے آنے کی محفل — یہ محفل ہے قسمت بنانے کی محفل

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

میلاد میں رسول ﷺ کی آمد:۔ حضرات! اس بند کے آخری دو مصرعے بڑے ہی روح پرور اور ایمان افروز ہیں۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ! سنئے اور غور سے سنئے:

یہ محفل ہے آقا کے آنے کی محفل
یہ محفل ہے قسمت بنانے کی محفل

واللہ! بڑا ہی کیف آور، اور وجد آفریں شعر ہے۔ اور آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ میرے دماغ کی جولانی یا میرے زور بیان کی طوفانی روانی ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ آفتاب و ماہتاب کی تجلیاں اس سے نور وضیاء کی بھیک مانگا کرتی ہیں!

مسلمانو! غمگسار درد منداں، اور چارہ گر بے کساں، رحمت عالم و عالمیان ﷺ کا مدینہ سے کہیں آنا اور جانا یہ کوئی نادر الوجود یا تعجب خیز بات نہیں۔ مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ تم مدینے سے دور ہو۔ مگر مدینے والے تم سے دور نہیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے کیا خوب فرمایا۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں، وہ کرم کہ سب کے قریب ہیں
کوئی کہہ دے یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

مسلمانو! غور کرو تم اس وقت زمین پر بیٹھے ہو۔ اگر میں کہوں کہ تم چاند اور تاروں کو دیکھو۔ تو تم نظر اٹھا کر ایک سیکنڈ سے بھی کم میں چاند تاروں کو دیکھ لو گے اور تمہاری آنکھوں کا نور ایک سیکنڈ سے بھی کم میں لاکھوں میل کی دوری پر بسنے والے چاند تاروں تک پہنچ کر پلٹ بھی آئے گا۔ تو جب تمہاری آنکھوں کے نور کا چاند تاروں تک جانا اور پلٹ آنا ایک سیکنڈ سے بھی کم روزانہ لاکھوں بار ہو سکتا ہے تو وہ ذات انور جو صرف نور ہی نہیں، بلکہ نورٌ علیٰ نور بلکہ اصل ہر نور ہے، جو ساری خدائی کا بھی نور ہے اور خدا کا بھی نور ہے۔ اگر وہ مدینے سے ہماری محفل میلاد میں جلوہ گر ہو جائیں اور پھر مدینہ تشریف لے جائیں تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے۔ کیا ہماری آنکھوں کے نور سے خدا کا خاص نور کروڑوں درجے افضل و اعلیٰ نہیں ہے؟ تو پھر ایک پل بھر میں ان کے یہاں آنے اور جانے میں کون ہے جو شک یا انکار کر سکتا ہے؟

عزیزو اور دوستو! حضرت مولانا آسی علیہ الرحمتہ نے اس مضمون پر کیا خوب قطعہ لکھا

ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عشق بازو! جو شہ ہر دوسرا تک پہنچا
وہ خدا تک، وہ خدا تک، وہ خدا تک پہنچا

کیا نہ پہنچے گا وہ فریاد کو میری پل میں؟
جو پلک مارے میں عرش خدا تک پہنچا

مسلمانو! اسی طرح یہ بھی ایمان رکھو کہ در رسول وہ مقدس چوکھٹ ہے کہ یہاں قسمت بنتی بھی ہے اور بگڑتی بھی ہے۔ اجی کون کون نہیں جانتا کہ حضرت بلال ایک حبشی غلام تھے نہ کوئی عزت تھی نہ کوئی وقار۔ مگر جب یہی بلال حضور احمد مختار ﷺ کے دربار میں پہنچ کر ان کی مقدس چوکھٹ سے چمٹ گئے تو ان کی قسمت بن گئی کہ جب مدینے کی گلیوں میں چلتے پھرتے تھے تو وہ جنتی صحابہ جن کی آنکھوں میں نور بصارت کے ساتھ ساتھ نور بصیرت بھی تھا۔ جب وہ بلال کے چہرے کو دیکھتے تو زبان حال سے پکار اٹھتے تھے۔

بدر اچھا ہے فلک پر نہ ہلال اچھا ہے
چشم بینا ہو تو دونوں سے بلال اچھا ہے

اور ثعلبہ بن ابی حاطب جو دور صحابہ میں اتنے عبادت گزار، اور مقبول خلائق و باوقار تھے کہ لوگ محبت و پیار میں ان کو "حمامۃ المسجد" یعنی مسجد کا کبوتر کہتے تھے۔ مگر جب انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور رحمت عالم نے ان سے روٹھ کر ان کو اپنی چوکھٹ سے ٹھکرا دیا تو ایک دم ان کی قسمت اس طرح بگڑ گئی کہ ایمان کی دولت برباد ہو گئی اور یہ سر پٹک پٹک کر مر گئے۔ مگر مردودیت کا بدنما داغ ان کی پیشانی سے نہ دھل سکا اور یہ دونوں عالم میں ذلیل و خوار ہو گئے۔ اللہ اکبر! بالکل سچ کہا کسی عارف نے۔

خدا کا قہر ہے ان کی نگاہ کا پھرنا
گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

بہرکیف حضرات گرامی! میں نے خطبہ کے بعد سورۂ "صف" کی ایک آیت مبارکہ کی تلاوت کی ہے جو اسی مضمون پر شاید عدل ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ عید اور خوشی منانے کی تاریخ ہے۔

اس آیت کریمہ میں خدا کے ایک اولو العزم پیغمبر حضرت مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰہ والسلام کا ایک نورانی وعظ ہے جسے وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو برسوں سناتے رہے۔

حضرات! جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقدس وعظ پر ایک نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بارھویں شریف کی تاریخ صرف اسی امت مسلمہ کے لئے مسرت و شادمانی کا دن نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح اس تاریخ کے آنے سے سینکڑوں برس پہلے اپنی قوم بنی اسرائیل کو یہ درس دے رہے ہیں کہ ولادت مصطفیٰ ﷺ کی مبارک تاریخ بلاشبہ مسرت و شادمانی اور عید منانے کا دن ہے چنانچہ اب آپ اس آیت کا ترجمہ سن کر بغور ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح حضرت مسیح اس تابناک حقیقت پر اپنی مہر تصدیق ثبت فرمارہے ہیں کہ پیارے مصطفیٰ ﷺ کی بارھویں شریف فرح وسرور کے نور سے منور، اور اہل ایمان کے لئے خوشی منانے کا دن ہے۔ لہٰذا یہ تاریخ ایک مسلمان کے نزدیک سب سے بڑی عید کا دن ہے! حضرات گرامی! ارشاد ربانی ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ

یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب عیسیٰ بن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں اور میرے دو تبلیغی مشن ہیں ایک تو یہ کہ مجھ سے پہلے جو خدا کی کتاب توریت نازل ہوئی ہے۔ میں اس کی تصدیق کرنے کے لئے آیا ہوں کہ وہ حرف بحرف صحیح اور منزل من اللہ ہے اور دوسرا یہ کہ میں اس عظمت والے رسول کی خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ جن کا نام احمد ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

لیکن جب وہ رسول معجزات لے کر تشریف لائے۔ تو لوگوں نے یہ کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے!

بشارت:۔ برادران اسلام! غور فرمایئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور نبی آخر الزمان ﷺ

کی تشریف آوری کی خبر کو مُبَشِّرً بِرَسُوْلٍ کے لفظ سے بیان فرمارہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام مُخْبِرًا بِرَسُوْلٍ نہیں فرمایا کہ میں ایک رسول کے آنے کی خبر دے رہا ہوں۔ یا مُعْلِناً بِرَسُوْلٍ نہیں کہا کہ میں ایک رسول کی آمد کا اعلان کرنے کے لئے آیا ہوں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یعنی میں ایک رسول کی بشارت اور خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں۔

اس لئے کہ "خبر" تو خوشی کی بھی ہوتی ہے اور "خبر" غم کی بھی ہوتی ہے۔ اور ایسی بھی "خبر" ہوتی ہے۔ جو نہ خوشی کی ہو نہ غمی کی۔ اسی طرح "اعلان" بھی تین قسم کا ہوتا ہے۔ خوشی کا اعلان، غمی کا اعلان، ایسا اعلان جو نہ خوشی کا ہو نہ غم کا۔ مگر "بشارت" تو وہی خبر کہلائے گی جو خوشی کی خبر ہو۔ چنانچہ علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اَبْشَارَۃُ هُوَ الْخَبَرُ السَّارُّ فَاِنَّهٗ يَظْهَرُ اَثَرُ السُّرُوْرِ فِي الْبَشَرَةِ (بیضاوی ص 47) یعنی بشارت اسی خبر کو کہتے ہیں جو خوش کر دینے والی ہو۔ اور خوشی کی خبر کو "بَشَارَۃ" اس لئے کہتے ہیں کہ اس خبر کا اثر انسان کے "بشرہ" یعنی کھال پر ظاہر ہوتا ہے کہ بشارت اور خوشی کی خبر سن کر فطری طور پر انسان کے رخسار پر ایک خاص قسم کی بشاشت کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔

برادران ملت! جب آپ نے قرآن کی زبان سے سن لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور نبی آخر الزمان خاتم پیغمبران ﷺ کی تشریف آوری کی خبر کو بشارت اور خوشخبری کہا۔ تو ثابت ہو گیا کہ رحمت عالم ﷺ کا پیدائش کا دن شادمانی و مسرت اور خوشی منانے کا دن ہے۔

اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ بارھویں شریف مسلمانوں کی ایک بہت بڑی عید کا دن ہے۔

عید میلاد پر خوشی منانا:۔ حضرات! کیوں نہ ہو؟ کہ حضرت حق جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس)

یعنی اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر لوگوں کو چاہئے کہ خوشی منائیں۔ یہ ان کے سب دھن و دولت سے بڑھ کر ہے جس کو لوگ جمع کرتے ہیں۔

میرے بزرگو اور بھائیو! جب خدا کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانے کا خداوند قدوس نے حکم فرمایا ہے تو غور کیجئے کہ حضور نبی آخر الزمان، چارہ ساز درد منداں، شفیع عاصیاں

کی اس دنیا میں تشریف آوری سے بڑھ کر ایک مومن کے لئے اور کون سا فضل خداوندی ہوگا؟ اور رحمتہ للعالمین کی رحمت کاملہ سے بڑی اور کون سی رحمت ہوگی جو ایک مسلمان کے لئے فلاح دارین کا سامان بنے گی۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یوم ولادت پر خوشی منانا یہ احکم الحاکمین کا فرمان ہے۔ لہٰذا جس مسلمان کے سینے میں دولت ایمان ہوگی وہ یقیناً بارھویں شریف پر خوشی منائے گا۔

خوشی منانے کے طریقے:۔ مسلمانو! اب تم ہی بتاؤ کہ مسلمانوں کے خوشی منانے کے کیا کیا اور کون کون سے طریقے ہیں؟ تم جانتے ہو کہ اظہار مسرت اور خوشی منانے کے یہی طور طریقے تو ہیں کہ انسان جب خوشی مناتا ہے تو اپنے جسم اور لباس کو زینت دیتا ہے۔ اپنے مکان، اپنی دکان، اپنے سامان کو صاف ستھرا کر کے سجاتا ہے۔ آرائش کرتا ہے۔ جھنڈے جھنڈیاں لگاتا ہے، روشنی کرتا ہے۔ اپنے دوست اور احباب کو اپنے گھر بلاتا ہے۔ قسم قسم کے پکوان پکاتا ہے اور خوش ہو ہو کر کھانا کھلاتا ہے۔ اپنے چہرے پر شگفتگی اور بشاشت کا اظہار کرتا ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ اگر کسی کے گھر کوئی خوشی ہوگی تو کیا وہ اظہار خوشی کے لئے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنے گا؟ کیا وہ اپنے مکان، دکان اور سارے سامان کو پھوہڑ اور گندہ رکھے گا؟ کیا وہ اپنے مکان اور صحن کو اظہار مسرت کے لئے بالکل اندھیرا رہنے دے گا؟ کیا وہ خوشی کے دن اچھے اچھے کھانے نہیں کھائے کھلائے گا؟ کیا وہ خوشی کے دن خوشی منانے کے لئے مکئی اور باجرے کا ستو کھائے گا اور کھلائے گا؟ جس کو منہ میں رکھ کر جب گردن پر گھونسا مارے تو وہ حلق سے اترے؟

تو میرے بھائیو! جب بارھویں شریف عید اور خوشی منانے کا دن ہے تو ظاہر ہے کہ خوشی منانے کے تمام جائز طریقے اس دن برتے جائیں گے۔ چنانچہ اہل سنت و جماعت چونکہ بارھویں شریف کو عید میلاد اور خوشی منانے کا دن مانتے ہیں۔ اس لئے مکانوں اور دکانوں، سڑکوں اور گلیوں کو سجاتے ہیں۔ جھنڈے اور جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ شامیانے تان کر جلسوں کو روشنیوں اور قسم قسم کی آرائشوں سے مزین کر کے ذکر میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔ زردہ پلاؤ، بریانی، حلوے وغیرہ قسم قسم کی غذائیں تیار کر کے نیاز فاتحہ دلاتے ہیں اور کھانے کھلاتے ہیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہن کر، اور نعت شریف اور صلوٰۃ و سلام پڑھ پڑھ کر اپنی ایمانی بشارت اور روحانی شادمانی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور زبان حال

و قال سے یہ اعلان کرتے ہیں ؎

عرض ہے انسداد نجدیت ہو رسول حق کا چرچا جا بجا ہو

اور جن لوگوں کے نزدیک رحمتہ للعالمین کی ولادت کا دن خوشی کا دن نہیں ہے وہ اس دن اپنے گھروں کو گندہ، پھوہڑ اور اندھیرا ہی رکھتے ہیں۔ نہ اچھا کھاتے کھلاتے ہیں۔ نہ صاف ستھرا کپڑا پہنتے ہیں۔ نہ اپنے چہروں پر ہنسی خوشی کے آثار ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ "ابجد ہوز" بنے منہ لٹکائے پھرتے ہیں اور سینوں کے جشن مسرت کی زینتوں اور آرائشوں پر نتھے پھلاتے اور جلتے بھنتے رہتے ہیں!

اب مسلمانو! فیصلہ تمہارے ہاتھ میں کہ کون قرآن کے فرمان پر عمل کر رہا ہے؟ اور کون فرمان قرآن سے منہ موڑ رہا ہے؟ قرآن نے تو ولادت رسول کو "بشارت" یعنی خوشخبری اور خوشی منانے کا دن بتایا ہے۔ اب جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے وہ بارھویں کے دن ضرور خوشی منائے گا اور خوشی منانے کے جتنے جائز طریقے ہیں۔ وہ سب کرے گا اور جو اس دن کو خوشی کا دن نہ مان کر اظہار شادمانی و مسرت کا اعلان نہیں کرتا۔ وہ لاکھ بار کہے کہ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں۔ مگر خدا کی قسم اس کا عمل اس کے قول کی تکذیب کر رہا ہے کہ وہ بارھویں شریف کو خوشی کا دن نہیں مانتا!

پڑھیے درود شریف: **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا محمد وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ وبارك وسلم۔**

شب قدر:۔ حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید رمضان شریف کی ایک رات میں لوح محفوظ سے آسمان اول پر نازل کیا گیا اور آسمان اول سے تیئیس برس میں رفتہ رفتہ حضور اکرم ﷺ پر اترا تو رمضان شریف کی وہ ایک مقدس رات جس رات میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان اول پر نازل ہوا اس رات کی عظمت اور بزرگی کا خطبہ پڑھتے ہوئے قرآن مجید میں حضرت حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ، وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَالَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ، لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ،

یعنی ہم نے بے شک قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

مسلمانو! غور کرو کہ رمضان شریف کی ایک رات میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اترا تو وہ ایک رات عظمت و فضیلت میں اتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے کہ اس کا نام ہی "شب قدر" یعنی مرتبہ والی رات ہے۔ اور وہ اکیلی ایک رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے!

تو پھر بھلا سوچئے کہ پورا قرآن جس ذات اقدس پر نازل ہوا۔ جو قرآن کے امین اور رسول رب العلمین ہیں۔ وہ جس تاریخ میں روئے زمین پر تشریف لائے۔ کیا وہ تاریخ سال کی تین سو ساٹھ تاریخوں میں ایک خاص حیثیت سے افضل و اعلیٰ اور بہتر و بالا نہ ہو گی۔ ہو گی اور ضرور ہو گی۔

حضرات گرامی! اس لئے جو لوگ بارھویں شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور جلسوں کو قسم قسم کی آرائشوں سے آراستہ کرتے ہیں اور اس طرح اپنے فرح و سرور اور شادمانی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں وہ لوگ یقیناً قرآن کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر اپنے ایمان و عمل کی دنیا کو نور ایمان کی روشنی سے اس طرح جگمگا دیتے ہیں کہ ان کے وجود و ہستی کا ہر ہر ذرہ رشک آفتاب و ماہتاب بن جاتا ہے اور جو لوگ اس دن کی کوئی قدر نہیں کرتے بلکہ اس دن کی عظمت کو گھٹاتے رہتے ہیں۔ وہ یقیناً خسران و محرومی کے اتنے عمیق غار میں گر پڑے ہیں۔ جہاں آفتاب سعادت کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتی ہیں!

اس لئے پیارے مسلمانو! میں آخری دم تک تم سے یہی کہتا رہوں گا کہ ۔

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں

ذکر آیات ولادت کیجئے

کیونکہ سلف صالحین اور موجودہ دور کے تمام علماء اور اولیاء اہلسنت ہمیشہ بارھویں شریف کی محفلیں اور مجالس میلاد شریف منعقد کرتے رہے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہوتے رہے! یہاں تک کہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی جو علماء دیوبند اور علماء اہل سنت دونوں کے شیخ الحدیث اور مسلم الثبوت مقتدا اور پیشوا ہیں۔ انہوں نے تو بارھویں شریف کی مجلس میلاد شریف کے بارے میں ایک ایسا واقعہ لکھا ہے کہ اگر علمائے دیوبند واقعی ان کو اپنا پیشوا اور استاذ حدیث مانتے ہیں تو اس کو پڑھ کر انہیں چاہئے کہ میلاد شریف کی مخالفت سے توبہ کر لیں!

دربار رسول میں چنے:۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الدر الثمین" میں لکھا ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قبلہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر سال بارھویں شریف کے میلاد شریف میں طعام اور شیرینی تقسیم کرتا تھا مگر ایک سال کچھ تنگ دستی ہو گئی تو میں نے بھنے ہوئے چنے دے کر بارھویں شریف کے میلاد شریف میں تقسیم کر دیا۔ تو مجھے خواب میں حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کی زیارت نصیب ہوگئی اور میں نے یہ دیکھا کہ میرے وہی چنے حضور انور ﷺ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور حضور رحمت عالم ﷺ خوش ہو رہے ہیں!

سبحان اللہ! ماشاء اللہ! اس بشارت عظمٰی پر ہماری جان قربان! رحمت عالم فداہ ابی وامی کتنے کریم ورحیم آقا ہیں۔ کس قدر اپنی امت پر مہربان، اور مسکین نواز ہیں کہ اپنے ایک مسکین امتی کے بھنے ہوئے چنوں کے تحفہ کو قبول فرما کر اپنے دیدار پر انوار کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔ سبحان اللہ!

کیوں تاجدارو! خواب میں دیکھی کبھی یہ شے
جو آج جھولیوں میں گدایان در کی ہے

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

چالیسواں وعظ

حج وزیارت

یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسنِ ایماں ہے
مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

نحمده ونصلي علي رسوله الكريم

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (ال عمران)

برادران ملت! بآواز بلند درود شریف پڑھئے! اللّٰهُمَّ صل علٰی سیدنا محمد واله وصحبه وبارك وسلم صلوٰة و سلاماً عليك يا رسول الله۔

حضرات! پہلے ایک نعت شریف پیش کرتا ہوں۔ سماعت فرمائیے۔

نعت

حاجیو! اب گنبدِ سرکار تھوڑی دور ہے   رحمتِ حق کا علمبردار تھوڑی دور ہے
عشق و مستی میں قدم آگے بڑھا کر دیکھ لو   گنبد خضراء کا وہ مینار تھوڑی دور ہے
ہے خریدارِ گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ   عاصیو! وہ مصطفیٰ بازار تھوڑی دو ر ہے
نعمت کونین ملتی ہے گداؤں کو جہاں   وہ محمد کا سخی دربار تھوڑی دور ہے
اللہ، اللہ! وہ گلستانِ مدینہ مرحبا!   پھول سے بہتر ہیں جس کے خار تھوڑی دور ہے
لے کے اترے تھے جہاں جبریل بھی فوج ملک   وہ احد کا جنتی کہسار تھوڑی دور ہے
وہ شہیدان محبت کی مقدس خوابگاہ   وہ بقیع پاک پرانوار تھوڑی دور ہے
کیوں نہیں تھمتے ہیں آنسو، کیوں کھنچا جاتا ہے دل   اب یقیناً کوچہ دلدار تھوڑی دور ہے
دشت طیبہ ہے، یہاں چل سر کے بل اے اعظمی
مصطفیٰ کا جنتی دربار تھوڑی دور ہے

حضرات! میں آج "حج وزیارت" کے موضوع پر چند منٹ آپ سے خطاب کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

مسلمانو! یوں تو ایک مسلمان اپنی زندگی میں قسم قسم کے بہت سے سفر کرتا ہی رہتا ہے۔ تجارتی سفر، تعلیمی سفر، ملاقاتی سفر، تفریحی سفر، وغیرہ وغیرہ مگر حج وزیارت کے لئے حرمین

طیبین کا سفر اپنی خصوصی نوعیت کے لحاظ سے ایک عجیب ہی سفر ہے۔اس سفر کی ایمانی کشش، اور روحانی جاذبیت، اور قدم قدم پر نئے نئے ولولوں کا طوفانی جوش و خروش، ایک نرالا کیف و سرور ایک عجیب قسم کی سرمستی و بے خودی، ایک وقت انگیز وارفتگی، ایک باشعور دیوانگی، کی ملی جلی کیفیات سے ایک عجیب عالم ہوتا ہے کہ اس سفر کا مسافر زبان حال سے یہ کہتا ہوا گرتا پڑتا چلا جاتا ہے ؎

چلو وادیٔ عشق میں پا برہنہ یہ جنگل وہ ہے جس کا کانٹا نہیں ہے

اس سفر میں بڑی بڑی کلفتوں اور تکلیفوں کے خارزار اس طرح نگاہوں کے سامنے آتے ہیں کہ گویا ہر نوک خار میں بہشت کے گلزار اپنی پوری بہار کے ساتھ دعوت دیدار دے رہے ہیں۔ کمزور و ناتواں حجاج جو ضعف پیری کا شکار ہیں۔ کمزور ولاچار ہیں۔ مگر دیار حبیب کی منزلوں کو جلد سے جلد طے کرنے کے لئے اس قدر بے قرار ہیں کہ ان کے دوش ہوش پر ایک خاص قسم کا جوش سوار ہے اور وہ سراپا کیف و مستی کے آئینہ دار بنے ہوئے ہر قدم پر زبان حال سے یہ نغمہ گاتے ہوئے افتاں، خیزاں چلے جارہے ہیں۔

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
شوق کھینچے لئے جاتا ہے، میں کیا جاتا ہوں

برادران ملت! کیوں نہ ہو! آخر ان مسافروں کا مقصد سفر اور منزل مقصود کیا ہے؟ واللہ! یہ وہ مسافر ہیں جو اپنے اللہ کا گھر اور اپنے محبوب کا در دیکھنے کے شوق میں اپنے گھر سے سفر میں نکل پڑے ہیں۔ سبحان اللہ! خدا نے ایک مسلمان کو آنکھ دی۔ آنکھوں میں روشنی دی۔ مسلمان نے اپنی اس آنکھ سے زمین دیکھی، آسمان دیکھا، سارا جہان دیکھا لیکن اگر مسلمان نے اپنی اس آنکھ سے اللہ کا گھر، اور اس کے محبوب کا در نہیں دیکھا تو گویا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ مسلمانو! میری دعا ہے کہ خداوند کریم ہر مسلمان کو اپنا گھر، اور اپنے محبوب کا در دکھائے (آمین)

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہ ان مسافروں کا مقصد سفر کتنا جاذب قلب و نظر اور ان کی منزل مقصود کتنی پرکشش اور کس طرح قدر روح پرور ہے؟ پھر کیوں نہ ہر قدم پر جوش و خروش کی پوری دنیا جھک جھک کر ان کے قدموں کا بوسہ لے؟ اور کیوں نہ یہ لوگ کیف و سرمستی کا ایک ایسا انوکھا مجسمہ بن جائیں جن کو مست الست کے سوا کچھ بھی نہ کہا جاسکے اور

کیوں نہ ان کی ہر اداؤں میں والہانہ سرمستی اور مستانہ وار فتگی کا ایسا سرور نمودار ہو جس کو دیکھ کر ہر شخص بے اختیار پکار اٹھے ۔

سمجھ سکے نہ حقیقت کا راز فرزانے
زبان حال سے کہتے رہے جو دیوانے

برادران اسلام! میں عرض کر چکا کہ اس سفر کے دو مقاصد ہیں، ایک بیت اللہ شریف کا حج، دوسرے رحمۃ للعالمین ﷺ کے دربار پر انوار کی حاضری۔ یہ دونوں مقاصد ایک مومن کی نگاہ ایمان میں کتنے بلند اور کس قدر عظمت والے ہیں؟ اللہ اکبر۔

مبارک ہیں، مبارک ہیں، خدا شاہد مبارک ہیں
یہ مکہ دیکھنے والے، مدینہ دیکھنے والے

حج و زیارت کیا ہے؟ برادران ملت! صاحب استطاعت مسلمان کے لئے عمر بھر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اور روضہ منورہ کی زیارت قریب بواجب ہے۔ قرآن مجید میں پروردگار عالم جل جلالہٗ کا فرمان ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ج وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا۔

یعنی سب سے پہلا گھر جو بغرض عبادت لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا ہے اور تمام جہان کے لئے ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو وہ امن پانے والا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔

اور اللہ کے لئے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج ہے جو وہاں تک کا راستہ طے کرنے کی طاقت رکھتے ہو۔ اور جو کفر کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط

یعنی حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔

حضرات ان آیتوں سے حج کی فرضیت ثابت ہے۔یاد رکھئے کہ حج 9ھ میں فرض ہوا اور حج کی فرضیت اتنی ہی قطعی اور یقینی ہے۔ جتنی کہ نماز وروزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت قطعی و یقینی ہے۔ جو شخص اس کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو بلاعذر باوجود حج فرض ہونے کے حج نہ کرے، یا بلاعذر حج میں تاخیر کرے وہ سخت گناہگار ہے!

حضرات! حج کے اجر و ثواب، اور اس کی فضیلت کا کیا کہنا؟ سبحان اللہ! حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے حج کیا اور رفث (فحش کلامی) نہ کیا۔ اور فسق نہ کیا تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے اس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ (صحیحین)

حضرات! اسی طرح حضور سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ منورہ کی زیارت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ؕ

یعنی اگر وہ لوگ جنہوں نے کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے۔ اے رسول! آپ کے دربار میں حاضر ہو جائیں پھر اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کر دیں۔ تو وہ لوگ اللہ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے!

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی۔ اس نے مجھ پر جفا کی۔ (بہار شریعت)

اللہ اکبر! بھلا اس بدنصیب کا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ جو خدا کے پیارے محبوب پر ظلم و جفا کرے۔ اسی لئے علمائے اہل سنت یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ روضہ منورہ کی زیارت اس قدر اہم ہے کہ واجب کے قریب ہے اور بہت ہی بڑا بدنصیب ہے وہ حاجی جو مدینہ منورہ نہ جائے اور صرف حج کر کے مکہ سے بھاگ نکلے! خداوند کریم ہر مسلمان کو در رسول کی حاضری نصیب فرمائے۔ (آمین) اللہ اکبر

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاک پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے

آدابِ حرمین:۔ حضرات گرامی! حج کے فرائض و واجبات، اور سنن و مستحبات اسی طرح زیارت کے مسائل پر تو مجھے اتنے قلیل وقت میں روشنی ڈالنی نہیں ہے۔ یہ سب مسائل تو معلم صاحبان ہر حاجی کو بتا ہی دیتے ہیں، پھر "حج وزیارت" کے بارے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے رسائل بھی مسائل بتانے کے لئے کافی ہیں۔

میں تو اس وقت اس مجلس میں صرف سفر حج و زیارت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے ادب واحترام کے بارے میں چند کلمات عرض کر دینا چاہتا ہوں جو در حقیقت ان دونوں سفروں کی روح مقاصد ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

حرم کی زمیں، اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے، او جانے والے

اور حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ نے تو بڑا ہی کیف آور اور وجد آفرین شعر لکھا ہے وہ اپنے کیف و وجد کے عالم میں فرماتے ہیں کہ ۔

اے پائے نظر! ہوش میں آ، کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

مکہ میں مست، مدینہ میں ہوشیار:۔ حضرات! مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ان دونوں حرموں کے بارے میں ایک مصرع بہت ہی مشہور ہے ع

"باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

میں نے اپنی تک بندی کرتے ہوئے اس کی تضمین کی ہے اور پہلا مصرع یہ ملا دیا ہے:

در حرم وار فتگی کن، در مدینہ ہوش دار
باخدا دیوانہ باش، وبامحمد ہوشیار

یعنی خدا کے دربار حرم مکہ میں تو خوب خوب اپنے جنون عشق، اور وار فتگی و بے خودی کا مظاہرہ کرو۔ مگر جب محمد رسول اللہ کے دربار مدینہ میں پہنچو۔ تو وہاں بالکل سنجیدہ اور ہوشیار بن کر دربار میں حاضری دو۔

بیکل بلرام پوری نے اسی شعر کا اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے اور ماشاءاللہ خوب لکھا

ہے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ فرماتے ہیں:

یہ مکہ ہے، یہاں دیوانگی بھی حسن ایمان ہے
مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا، تو سب چھوٹا

مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ جہاں حرم الٰہی ہے۔ یہاں تو دیوانگی کی ادائیں بھی ایمان کے حسن کا نشان ہیں۔ مگر مدینہ منورہ میں اگر آدمی نے ہوش کا دامن چھوڑ دیا اور کوئی دیوانہ پن کی حرکت کر بیٹھا تو پھر سمجھ لو کہ اس کا دین و ایمان سب کچھ چھوٹ گیا۔ یعنی دین و ایمان کی ساری دولت ہی غارت و برباد ہو جائے گی!

حضرات! فارسی کا مصرع "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" درحقیقت یہ ایک مومن کے قلبی واردات کی سچی اور مکمل تصویر کشی اور ایمانی جذبات صادقہ کی بالکل صحیح عکاسی ہے۔

چنانچہ حج کے تمام افعال و اعمال پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو ہر ہر عمل میں ایک جنون عشق اور ایک قسم کی سرمستی اور بے خودی کا منظر نظر آتا ہے!

ذرا غور تو کیجئے کہ احرام کے وقت حج ختم ہونے تک بغیر سلا ہوا ایک تہبند اور ایک چادر کے سوا دوسرا کوئی لباس نہیں پہن سکتے۔ ہر وقت سر کھلا ہوا اور ننگے سر رہنا ضروری ہے۔ نہ حجامت بنوا سکتے ہیں نہ ناخن کاٹ سکتے ہیں۔ نہ خوشبو لگا سکتے ہیں نہ موزہ پہن سکتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے۔ چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر "لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ" کا نعرہ لگاتے پھرنا دیکھ لیجئے، جو ہوش میں رہتا ہے وہ تو قسم قسم کی تراش خراش کے کپڑے اور بہترین لباس پہنا کرتا ہے۔ کرتا پائجامہ، شیروانی کوٹ تو خیر اولڈ فیشن والوں کی پرانی تہذیب ہے اب تو بوشرٹ چلا ہے اور پتلون تو ایسی نکلی ہے کہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ یہ سلا کر پہنتے ہیں یا پہن کر سلاتے ہیں۔ بہرکیف ہوش و خرد والے عموماً بغیر سلا ہوا کپڑا نہیں پہنا کرتے۔ مستانوں ہی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ بلا سلا ہوا کپڑا اپنے بدن سے لپیٹے ننگے سر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ نہ کھال کی فکر نہ بال کی پرواہ۔

پھر کعبہ کا طواف، چکر پر چکر لگانا، صفا و مروہ کی سعی، یہ چلت پھرت، یہ دوڑ بھاگ کبھی دھیرے دھیرے چلنا، کبھی دوڑنا۔ کبھی رمل کرنا یعنی سینہ تان کر شانہ ہلاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چلنا۔ کبھی حجر اسود کو چوم لینا۔ کبھی ملتزم سے چمٹ کر رونا، کبھی کعبہ مقدسہ کی چوکھٹ پکڑ کر آہ و بکا اور گریہ وزاری کرنا، کبھی چاہ زمزم پر کھڑے کھڑے بھر بھر پیٹ پانی پینا، کبھی عرفات کے

میدان میں، کبھی مزدلفہ کے صحرا میں، کبھی منیٰ کی وادی میں پڑے رہنا۔ کبھی جمرہ کو کنکری مارنا۔ بتائیے یہ سب ادائیں، اور یہ سارے اعمال وافعال کیا ہیں؟ اور کیسے ہیں؟ یہ سب سرور عشق کے مستانوں اور شمع توحید کے پروانوں ہی کے رنگ ڈھنگ تو ہیں۔ یہ سب خدا کے عشق و محبت اور والہانہ ذوق و شوق کی وارفتگی اور دیوانگی ہی کے تو آثار ہیں۔ پھر میدان عرفات میں ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا، اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب پڑھنا۔ پھر منیٰ میں قربانی کر کے خون بہانا۔ یہ بے وقت کی نمازیں، یہ خون بہانا، پھر چٹ پٹ حجامت بنوا کر اور سلے ہوئے لباس پہن کر منیٰ سے مکہ جانا اور طواف کرنے لگنا۔ یہ سب ان لوگوں کے کارناموں کی جھلکیاں تو ہیں جو کسی کے عشق میں شراب کیف و سرور سے مدہوش ہو کر عقل و ہوش کی دنیا سے نکل چکے ہوں اور کسی کے حسن و جمال کے متوالے ہو کر اس کی محبت میں دیوانے ہو چکے ہوں۔ غرض حج کے تمام اعمال میں ایسے ہی مناظر کی تجلیاں ہیں جیسے کوئی عاشق اپنے ہوش و خرد کی دنیا سے بیزار ہو کر جنون عشق کے میدان میں پہنچ گیا ہو اور اپنے محبوب کی یاد میں ننگے سر، بال الجھے، بے چین و بے قرار، ایک جگہ سے دوسری جگہ چیختا چلاتا، دوڑ بھاگتا پھرتا ہو۔ اور طرح طرح کے ایسے اعمال وافعال کرتا پھرتا ہو جو ہوش و خرد کے عالم میں رہنے والے نہیں کیا کرتے۔

حضرات گرامی! یہی مطلب ہے اس مصرع کا کہ ع یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسن ایمان ہے مگر یہی حاجی جب روزۂ منورہ کی زیارت کے ارادے سے مدینہ منورہ روانہ ہوتا ہے تو اب بلا سلا ہوا لباس پہن کر ننگے سر نہیں چلتا۔ نہ چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر کوئی نعرہ مارتا ہے۔ بلکہ سلے ہوئے صاف و شفاف کپڑے پہنے۔ خوشبو میں بسے۔ پورے سکون و اطمینان اور باوقار رفتار کے ساتھ درود و سلام کا ورد و وظیفہ پڑھتے ہوئے باادب باقرینہ دیار مدینہ کی مقدس سرزمین پر قدم رکھتا ہے اور گنبد خضرا کا دیدار ہوتے ہی اگرچہ جوش اشتیاق اور جذبہ عشق میں ہر زائر اس قدر بے قرار ہو جاتا ہے کہ اس کا دامن صبر تار تار ہو جاتا ہے۔ مگر سینے میں چھپا ہوا مفتی یعنی عظمت رسول سے بھرا ہوا دل فوراً یہ فتویٰ دے کر ہوشیار اور خبر کر دیتا ہے کہ۔

پیش نظر وہ نور بہار، سجدے کو دل ہے بیقرار روکیئے سر کو روکیئے، ہاں یہی تو امتحان ہے

کیا مجال کہ کسی کی کوئی چیخ نکل جائے۔ دل میں بھرے ہوئے محبت کے جذبات آنسوؤں کا سیلاب بن کر آنکھوں سے امنڈ پڑتے ہیں۔ بے اختیار نگاہیں نیچی، بلکہ آنکھیں ہو جاتی ہیں۔ اور

گرم گرم آنسوؤں کی دھار رخسار پر بہنے لگتی ہے۔ جوش گریہ سے اشکبار ہو کر آنکھیں زار زار روتی ہیں۔ مگر کمال ادب واحترام سے زبان پر سکوت وخاموشی کا ایک ایسا قفل لگا ہوتا ہے کہ "نہ آہ" نکلتی ہے نہ "اوہ" نہ "ہائے" نہ "ہو" بس خاموش چپ چاپ کھڑے ہیں۔

لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

غرض گنبد خضرا کا نظارہ ہو، یا سنہری جالیوں کا مواجہہ، رحمت عالم کا مصلی ہو یا منبر، محراب نبوی ہو یا قبر انور ستون مسجد ہوں یا سنگ در۔ بھرائی ہوئی اور دکھ بھری آواز میں صلوٰۃ وسلام کے مدہم سر کے سوا کوئی صدا نہیں۔ ہر جگہ ہر مقام لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیْ کا تازیانہ ادب ہر وقت ہوشیار کرتا رہتا ہے کہ خبردار! یہ وہ مقام ہے کہ۔

ادب گاہے است زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی آسمان کے نیچے یہ ایک ایسا ادب کا مقام ہے جو عرش سے زیادہ نازک ہے۔ ماوشما کس شمار وقطار میں ہیں؟ یہ وہ باعظمت دربار ہے کہ جنید بغدادی اور بایزید بسطامی جیسے اولیاء کبار بھی جب اس جگہ پر حاضر ہوتے ہیں تو زور زور سے بولنا تو درکنار، یہاں زور سے سانس بھی نہیں لیتے کہ یہاں زور زور سے سانس لینا بھی بے ادبی ہے!

حضرات! مولانا آسی علیہ الرحمہ کا شعر آپ سن چکے کہ۔

اے پائے نظر ہوش میں آ، کوئے نبی ہے آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

بہرکیف جب آپ مکہ اور مدینہ دونوں جگہوں کی حاضری کے مناظر ایک حد تک ذہن نشین کر چکے۔ تو اب دونوں جگہوں کے اعمال وافعال اور کوائف واحوال کو نظر میں رکھتے ہوئے اس شعر کو پڑھنے کا لطف اٹھایئے۔

یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسن ایمان ہے مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

دیکھ لیجئے مکہ مکرمہ میں حج کا ہر ہر عمل یہ بتاتا ہے کہ حاجی عشق الٰہی کی سرمستی میں دیدار خداوندی کے لئے دیوانہ بنا ہوا ہے اور یہاں وارفتگی اور دیوانی کی یہ ادائیں خدا کو پسند ہیں۔ اس لئے یہ ایمان وحسن وجمال، اور اسلام کے حسن وجمیل چہرے کا پوڈر ہیں اور مدینۃ الرسول خدا کے محبوب کا دربار ہے۔ اس لئے خدا کا حکم ہے کہ میرے محبوب کے دربار میں ہرگز ہرگز کوئی دیوانگی

کا مظاہرہ نہ کرے۔ بلکہ یہاں سراپا ہوشیار ہو کر حاضری دے۔ یہاں یہی ایمان کا حسن ہے!

اللہ اکبر! مسلمانو! خدا کی شان ہے کہ اپنے دربار میں اس کو اپنے بندوں کی دیوانگی پسند ہے اور اپنے محبوب کے دربار میں اپنے بندوں کا ہوشیار و باوقار، اور باادب رہنا محبوب ہے۔ سبحان اللہ! كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ہر دن اس کی ایک نرالی شان ہے۔ اور بندہ اس کی ہر شان پر جی جان سے قربان ہے!

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی دونوں حاضریوں کے آداب جدا جدا ہیں۔ مکہ کے حرم خداوندی اور دربار الٰہی میں ہر دم ہر قدم پر دمبدم عاشقانہ جوش و خروش، مستانہ رفتار و روش، ہر سانس میں ایک سرور و مستی، ہر بات میں ایک وجد و اضطراب، ہر درد اور ہر دعا میں ایک نعرۂ مستانہ، کبھی لبیک کی چیخ پکار، کبھی تکبیر و تہلیل کا شور، کبھی طواف کعبہ کے وقت تسبیحات اور دعاؤں کا ہنگامہ۔ اور مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں قدم قدم پر سکون و وقار کا اظہار، ہر حرکت و سکون میں تواضع اور انکسار، سرور عشق کا سکون و اطمینان، اکرام و احترام کی باادب نیاز مندیاں، تعظیم و تکریم کی مؤدبانہ ادائیں، درود و سلام کی نرم نرم مگر درد بھری صدائیں ان دونوں مقاموں کی کیفیات کا نقشہ کھینچتے ہوئے زائر حرم حمید صدیقی نے اپنے ایک شعر میں کیا خوب کہا ہے کہ

واں بس ایک ہنگامہ تکبیر و تہلیل و طواف | یاں سرور عشق میں ہر شخص سرور آستیں

اسی طرح اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے دونوں جگہوں کی کیفیات کو اشعار کے قالب میں ڈھالتے ہوئے جو تصویر کشی اور منظر نگاری فرمائی ہے۔ وہ پڑھنے، دیکھنے اور سننے کے قابل ہے۔ چند اشعار سنئے۔ عاشقانہ جذبات کے ساتھ سنتے رہئے اور وجد و تواجد کے کیف و سرور سے سر دھنتے رہئے!

پہلے ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لیجئے۔ پھر اشعار سنئے!

اللهم صل علٰى سيدنا محمد وعلٰى آل سيدنا محمد وبارك وسلم

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو | کعبہ تو دیکھ چکے، کعبہ کا کعبہ دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت | اب مدینہ کو چلو، صبح دل آرا دیکھو
آب زمزم تو پیا، خوب بجھائیں پیاسیں | آؤ جود شہہ کوثر کا بھی دریا دیکھو

زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابر رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو

دھوم دیکھی ہے در کعبہ پر بیتابوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

زینت کعبہ میں تھا، لاکھ عروسوں کا بناؤ
جلوہ فرما یہاں کونین کا دولہا دیکھو

واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا
یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت
جوش رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو

دھو چکا ظلمت دل بوسہ سنگ اسود
خاک بوسئ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو

کر چکی رفعت کعبہ پہ نظر پروازیں
ٹوپی اب تھام کے خاک در والا دیکھو

غور سے سنا تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے روضہ دیکھو

حضرات گرامی! میں نے شروع ہی میں یہ عرض کر دیا تھا کہ میں اس اجلاس میں "حج و زیارت" کے مسائل نہیں بیان کروں گا بلکہ حرمین شریفین کے صرف چند آداب آپ کے سامنے عرض کروں گا۔ کیونکہ ادب ہی درحقیقت ان دونوں سفروں کے مقاصد کی جان ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب" یعنی ادب کرنے والا انسان ہی نصیب ور اور خوش قسمت ہوتا ہے اور جو انسان بے ادب ہوتا ہے وہ ہمیشہ بے نصیب اور بدقسمت ہی رہتا ہے۔

مسلمانو! ہم اور تم تو کس گنتی اور کس شمار میں ہیں۔ حضرت مولانا روم جن کے علم و فضل اور بزرگی کی تمام عالم میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ وہ اپنی خاص مناجات میں خالق کائنات سے جس بات کی دعا مانگتے ہیں۔ وہ یہی ادب ہے۔ چنانچہ ان کی مناجات کا مشہور شعر ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

یعنی ہم خدا سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں۔ کیونکہ جو بے ادب ہوتا ہے وہ ہمیشہ خدا کے فضل سے محروم ہی رہتا ہے اور جو بدنصیب خدا کے فضل سے محروم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں سے محروم ہو گیا۔

اس لئے حرمین شریفین کا سفر کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ

منورہ بلکہ پورے دیار کا ادب و احترام ملحوظ رکھے اور ہر دم ہر قدم پر دھیان رکھے کہ یہاں کا ذرہ ذرہ اللہ اور اس کے رسول سے ایک خاص بلکہ خاص الخاص نسبت و تعلق رکھتا ہے۔ یہاں کی زمین کا چپہ چپہ نعلین پاک ﷺ کی سربلندیوں سے سرفراز ہو چکا ہے اور یہاں کے ہر خشک و تر پر رحمت عالم کی نظر کیمیا اثر پڑ چکی ہے۔ یہ دونوں شہر مہبط انوار الٰہی، انہی دونوں شہروں میں قرآن کا نزول ہوا اور جبریل امین اس سرزمین پر ہزاروں بار سدرۃ المنتہیٰ سے اترے۔ یہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح کو اور ستر ہزار شام کو اترے۔ مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ میں روضہ رسول اللہ ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ یہاں کے دیوار و در، شجر و حجر، خشک و تر، کنکر، پتھر، جاندار و بے جان انسان و حیوان، مکان و دکان، باغ و میدان غرض ہر ہر چیز کا ادب و احترام اور اعزاز و اکرام کرتا رہے۔ مسلمانو! یہاں تک مسئلہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کسی ہرے درخت، یا ہری گھاس کو کاٹنا حرام ہے۔ اگر کوئی جانور خواہ شہری ہو یا جنگلی اگر کسی درخت کے سائے میں بیٹھا ہو تو اس کو وہاں سے اٹھا کر خود اس سائے میں بیٹھنا حرام ہے۔

اللہ اکبر! جب وہاں کے درختوں، گھاسوں اور جانوروں کو بھی ذرہ برابر ایذاء دینا حرام ہے تو پھر وہاں کے صاحب ایمان باشندوں کو جو اللہ اور اس کے رسول کے گھروں کے پڑوسی ہیں۔ بھلا کسی طرح کی کوئی تکلیف دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

یاد رکھئے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر جو لوگ معلموں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ یا وہاں کے قلیوں، حمالوں اور سائلوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر جھڑک دیتے ہیں۔ بلکہ دھکا دے کر، اور برا بھلا کہہ کر دھتکار پھٹکار دیتے ہیں۔ درحقیقت وہ لوگ حرمین شریفین کا ادب نہیں جانتے اور کعبہ مقدسہ اور روضہ منورہ کا اکرام و احترام نہیں کرتے۔ ان لوگوں کے بارے میں بہت بڑا خطرہ ہے کہ ان کے ان بے ادبیوں کی نحوست نے کہیں ان کے حج و زیارت کا ثواب ہی غارت و برباد نہ ہو جائے۔

حج میں انبیاء اور فرشتے:۔ حضرات! مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ایک بات کا خاص طور پر ہر جگہ، ہر مقام، ہر منزل، ہر کوچہ و بازار بلکہ پورے دیار میں یہ خیال اور لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حج کے مجمع میں ہزاروں علماء و صالحین اور اولیاء کاملین، مجاذیب و سالکین، بلکہ غوث و قطب اور ابدال و افراد، یہاں تک کہ حضرات انبیاء کرام میں سے حضرت خضر و حضرت الیاس علیہما السلام بھی ہر سال موجود رہتے ہیں۔ پھر ہزاروں فرشتے بھی مختلف انسانوں کی صورتوں اور

شکلوں میں اس مجمع کے اندر آسمانوں سے اتر پڑتے ہیں۔ اور بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے تمہارے پاس ان بزرگوں کو پہچاننے والی نظر نہیں ہے۔ اس لئے خیرت اسی میں ہے کہ ہر وقت ہر گھڑی ہوشیار اور خبر دار رہنا چاہئے۔ خدا جانے تمہارے سامنے آنے والا انسان کون ہے؟ اور کس حال میں؟ ممکن ہے کہ حمال اور سائل کوئی فرشتہ ہو جو تمہارا امتحان لینے کے لئے تم سے کچھ سخت کلامی کر رہا ہو۔ اس لئے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کی اس نصیحت پر عمل کرنے میں بھلائی ہے کہ ؎

ہر بیشتہ گماں مبر کہ خالی است شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

یعنی ہر جھاڑی کے بارے میں یہ گمان نہ رکھو کہ خالی ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی جھاڑی میں کوئی چیتا سو رہا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے بارے میں یہ خیال نہ کر لو کہ کوئی بدھو یا چھیدی بقر عیدی ہی ہو گا۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی باکمال عالم یا صاحب کرامت ولی یا بزرگ فرشتہ ہو۔ بہر کیف خلاصہ یہ ہے کہ کسی کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ حرمین شریفین سے جن جن چیزوں کو کوئی ادنیٰ تعلق بھی ہو تو وہ بھی قابل احترام اور لائق تعظیم ہیں۔

امام مالک کا ادب:۔ مسلمانو! مدینہ منورہ کا ادب و احترام تو حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھو۔ آپ تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے مگر بیماری یا مجبوری کے علاوہ کبھی شہر میں بول و بزار نہیں کیا۔ بہت سے ترکی گھوڑے بادشاہ نے آپ کی سواری کے لئے نذر کئے تھے جو آپ کے دروازے پر بندھے رہتے تھے۔ مگر آپ شہر مدینہ کے اندر کبھی کسی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔ ہمیشہ شہر کے اندر پیادہ پا چلتے۔ جب لوگ سواری پر سوار ہونے کے لئے اصرار کرتے تو آپ سختی سے انکار کر دیتے۔ اور فرماتے تھے کہ اے لوگو! مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ جس مقدس شہر کے چپہ چپہ پر حضور اقدس ﷺ کے قدم ناز پڑے ہوئے ہوں میں اس شہر کی مبارک زمین کو اپنی سواری کے جانوروں کے پاؤں سے روندتا ہوا چلوں۔ آپ شہر کی پرانی دیواروں کو چوم لیا کرتے تھے کہ شاید ان پر حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کا دست مبارک لگا ہو۔ اللہ اکبر! کیا خوب فرمایا ہے کہ کسی عاشق رسول نے ؎

بزمینے کہ نشانِ کف پائے تو بود سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

یعنی یا رسول اللہ! جس زمین میں کہ آپ کے پائے اقدس کا نشان پڑا ہو گا۔ برسہا برس

تک صاحب نظر اور چشم بصیرت والے اس زمین پر اپنا سر رکھ کر خدا کا سجدہ کرتے رہیں گے! سبحان اللہ! ؎

یہ نہیں کہ خلد نہ ہو نکو، وہ نکوئی کی بھی ہے آبرو
مگر اے مدینہ کی آرزو، جسے چاہے تو وہ سماں نہیں

برادران ملت! میری دعا ہے کہ ارحم الراحمین ہر مسلمان کو حج و زیارت کی دولت نصیب فرمائے۔ اور سب کو حرمین شریفین کے ادب و احترام اور ان دونوں شہروں سے نسبت و تعلق رکھنے والی ہر ہر چیز کے اعزاز و اکرام کی توفیق عطا فرمائے (آمین) سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا جناب احقر نے ؎

آرزو ہے روضہ اطہر کا منظر دیکھتے ۔۔۔ صبح انوار دیکھتے، شام معنبر دیکھتے
جالیوں کو تھام کر بادیدۂ تر دیکھتے ۔۔۔ کوندتی برق تجلی کا وہ منظر دیکھتے
ہم ریاض جنت الفردوس میں پڑھتے نماز ۔۔۔ پھر بہت نزدیک سے حضرت کا منبر دیکھتے
سر زمین طیبہ و بطحا کی کرتے سیر ہم ۔۔۔ اور حکایاتِ جنون شوق پڑھکر دیکھتے
سایہ میزاب رحمت میں دعا کرتے ہوئے ۔۔۔ اپنی چشم نم سے اپنا دیدۂ تر دیکھتے

آبِ زمزم سے وضو کرتے نہاتے بار بار
پھر گناہوں سے مطہر جسم احقر دیکھتے

حضرات گرامی! واللہ! اس میں شک نہیں کہ حرم الٰہی مکہ مکرمہ اور حرم نبوی مدینہ منورہ کی حاضری خداوند کریم کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت عظمیٰ سے وہی سر فراز ہوتے ہیں جو بہت ہی خوش نصیب ہیں!

بہر کیف اب دعا کے لئے ہاتھ اٹھایئے۔ میں دعا مانگتا ہوں اور آپ اخلاص قلب کے ساتھ "آمین" کہیئے۔

....

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر
حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ
کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری (زیر طبع)

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ **ضیاء المصنفین**
بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء سے اپنی نگرانی
میں کروایا ہے۔

انشاءاللہ
ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور
جلد اس علمی کارنامے کو منصہ شہود پر لانے کا
شرف حاصل کرے گا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ
بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا
درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے
ضیاء النبی
مکمل
ضیاء القرآن